جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

جولائی ۱۹۹۶ء

صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

درجۂ شہادت پانے والے سات آدمی

نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک اور ارشاد یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کر کے شہید ہو جانے والے کے علاوہ اور بھی سات آدمی ایسے ہیں جنہیں درجۂ شہادت نصیب ہوتا ہے، وہ لوگ اگرچہ شہیدِ راہِ حق کے برابر نہیں ہو سکتے، لیکن پھر بھی اُن کو کسی حد تک شہادت ہی کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

(۱) ایک تو وہ ہے جو پانی میں ڈوب کر مر جائے۔

(۲) دوسرا وہ ہے جسے پیٹ کی کسی بیماری مثلاً ہیضہ وغیرہ کے سلسلہ میں موت آجائے۔

(۳) تیسرا وہ ہے جو پہلو کی کسی شکایت کی وجہ سے جاں بحق ہو گیا ہو۔

(۴) چوتھا وہ ہے جو طاعون کا شکار ہو کر رحلت کر گیا ہو۔

(۵) پانچواں وہ ہے جو کہیں جل کر مر گیا ہو۔

(۶) چھٹا وہ ہے جو کسی دیوار یا عمارت وغیرہ کی زد میں آکر انتقال کر گیا ہو۔

ساتویں وہ عورت ہے جو ولادت کے سلسلہ میں مر گئی ہو۔

(المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد مترجم، صفحہ ۱۷۹، ۱۸۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد!

۲۴ مئی کے روز نامہ جنگ میں پنجاب اسمبلی کے اسپیکر جناب حنیف رامے کا ایک بیان شائع ہوا ہے جو اُنھوں نے ایسا فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام چار نصابی کتابوں کی تقریبِ رونمائی کے موقع پر دیا۔ اُنھوں نے کہا " انگریز نے برِّصغیر میں ظلم کے ساتھ یہ مہربانی کی کہ تعلیمی اداروں میں طریقہ تعلیم انگریزی تھا انگریزی چھوڑی تو ہمیں دُنیا سے "دیس نکالا" مل جائے گا" گویا انگریزی زبان رامے صاحب کے نزدیک زبان نہیں بلکہ علم معانی و حقائق کا نام ہے کہ اگر اس کو حاصل نہ کیا گیا تو جاہل و بے علم کہلائیں گے، اسی لیے رامے صاحب اپنے بیان میں تعلیمی اداروں میں انگریزی طریقۂ تعلیم رائج کرنے کو انگریز کا احسان قرار دے رہے ہیں۔ گویا ان کے خیال میں انگریزی تعلیم کو رواج دینا اتنا عظیم اور مشکل مرحلہ تھا کہ اس کو ان کے آقا صاحب بہادر ہی انجام دے سکتے تھے وگرنہ ہم کو اب تک دُنیا سے "دیس نکالا" مل چکا ہوتا۔ کم از کم اتنا تو ضرور ہو چکا ہوتا کہ بیچارے رامے صاحب کو "پنجاب اسمبلی نکالا" مل گیا ہوتا۔ حالانکہ انھی دنوں عالمی سروے کی یہ رپورٹ بھی اخبارات میں ہر خاص و عام کی نظر سے گزری ہے کہ پاکستان کرپشن میں ایشیاء میں پہلے نمبر پر ہے اور عالمی سطح پر دوسرے نمبر پر اور یہ حقیقت ہے اس کرپشن کا اصل سبب عدالتی اور تعلیمی نظام ہے اور اس کے باوجود رامے صاحب کا یہ فرمانا باعث تعجّب ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ رائے صاحب اور ان جیسا انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ اسلامی تعلیمات اور اس کی تاریخ سے بالکل نا بلد ہوتا ہے بد قسمتی سے قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک اسی قسم کا طبقہ ملک میں برسرِ اقتدار رہا ہے۔ فوج اور عدلیہ سمیت ہر ادارہ میں مغرب زدہ افراد کا اثر ورسوخ اتنا قوی ہے کہ مستقبل قریب میں اس سے نجات کی بظاہر کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔

رائے صاحب کی سوچ اس قدر سطحی ہے کہ اُنھوں نے انگریزی زبان کو گویا علم قرار دیا ہے حالانکہ انگریزی سمیت کوئی بھی زبان علم نہیں ہے بلکہ یہ الفاظ ہوتے ہیں جن کے ذریعہ قلب میں محفوظ علم و معانی ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کیے جاتے ہیں یعنی الفاظ صرف افادہ اور استفادہ کا کام دیتے ہیں یا یوں کہیے کہ الفاظ کی مثال سواری کی سی ہے جن پر علم و معانی سوار ہو کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں۔ ہر زبان کیونکہ الفاظ اور جملوں کے مجموعوں کا مرکّب ہوتی ہے لہٰذا وہ علم و معانی کو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے اس سے زیادہ کسی بھی زبان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، لہٰذا عربی فارسی انگریزی چینی جاپانی وغیرہ ہر زبان کسی مقصود کے لیے واسطہ اور آلہ کی حیثیت تو رکھتی ہیں، لیکن خود مقصود نہیں ہوتیں۔ اب اگر کوئی واسطہ اور آلہ کو مقصود کی جگہ رکھ دے اور مقصود کو واسطہ اور آلہ قرار دے دے تو یہ دونوں کے ساتھ ظلم ہو گا اور زبان اور علم دونوں کو اُن کے اصلی مقام و مرتبہ سے ہٹانے کے مترادف ہو گا۔ یہ ایک موٹی سی بات ہے، مگر کیا کیا جائے مغرب زدہ دماغوں کا جن کا مقصد ہی یہ ہے کہ خود بھی یہود و نصارٰی کی تقلید کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔ ہمیں رائے صاحب سے کوئی ذاتی عداوت نہیں ہے، مگر وہ موجودہ دَور میں جس منصب پر فائز ہیں اس کی وجہ سے ان کی بات کو جرائد و اخبارات نمایاں کر کے شائع کرتے ہیں جس سے فکری طور پر پہلے سے تباہی کا شکار اس قوم کی مزید تباہی کا خطرہ ہے، لہٰذا ہم اپنا دینی فرض جانتے ہوئے اس کا جواب ضروری سمجھتے ہیں اگرچہ موجودہ تعلیمی نظام کی فرسودگی پر ہم اس سے قبل انوارِ مدینہ کے اداریہ مؤرخہ فروری ۱۹۹۴ء میں تفصیل سے تحریر کر چکے ہیں، لیکن اس بار میں اپنے جدِ امجد حضرت مولانا سیّد محمدّ میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی کتاب علماء حق اور اُن کے مجاہدانہ کارنامے سے چند اقتباس نقل کروں گا، تاکہ تاریخی حقائق کی روشنی میں قارئین یہ فیصلہ کر سکیں کہ موجودہ انگریز کا نافذ کردہ

تعلیمی نظام جس کو رائے صاحب انگریز کا مسلمانوں پر احسان عظیم تصور کرتے ہیں۔ ہماری کامیابی کا زینہ ہے یا تباہی کا گڑھا . . .

(جاری ہے)

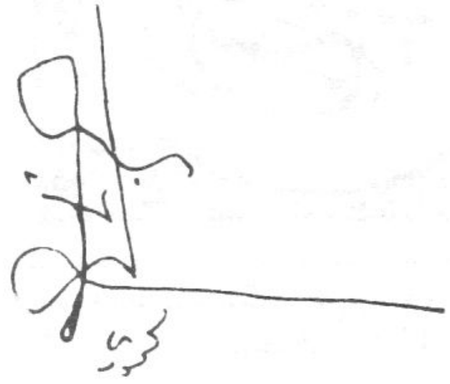

اعلانِ داخلہ

المعراج الیکٹرو ہومیو پیتھی میڈیکل کالج پراسپکٹس فری جوابی لفافہ بھیج کر منگوالیں۔ کورس ڈی۔ای۔ ایچ۔ایم ــ بی، ای، ایچ، ایم ــ ڈی، ڈی، ایس، سی ڈاک کورس طلبہ وطالبات داخلہ لے سکتے ہیں۔ دو طریقے اپنائے ہیں (۱) ریگولر کلاسز (۲) بذریعہ خط وکتابت۔ تعلیم بذریعہ ڈاک

پتہ المعراج الیکٹرو ہومیو پیتھی میڈیکل کالج کریم پارک نزد ایجنسی پیپسی کولا لاہور۔ المعراج فری ہسپتال کریم پارک نزد ایجنسی پیپسی کولا لاہور

نوٹ وفاق المدارس کے فارغ التحصیل علماء بھی داخلہ لے سکتے ہیں۔

مولای صلّ وسلّم دائماً ابداً — علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّهم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔

ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔

واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است — خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۹ سائیڈ اے ، ۲۳ اپریل ۱۹۸۲ء

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وّ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین اما بعد! عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ روہ الترمذی وَعَنْ عبدِ اللّٰہ بن مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ [1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] مشکوٰۃ ص ۵۵۴

آگ نہ چھوئے گی اس مُسلمان کو جس نے مجھے دیکھا ہے یا اُس کو دیکھا ہے جس نے مجھے دیکھا ہے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو (پھر فرمایا) میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، میرے دُنیا سے چلے جانے کے بعد ان کو نشانہ نہ بنانا، جس نے اُن سے محبّت کی اس نے میری محبّت کی وجہ سے اُن سے محبّت کی اور جس نے اُن سے بغض رکھا (تو گویا) اس نے میرے سے بغض رکھنے کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا، جس نے ان کو ستایا اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا گویا اس نے اللہ کو ستایا اور جس نے اللہ کو ستایا عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی گرفت فرمالیں گے۔

○

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَاٰنِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَاٰنِیْ

جس مسلمان نے مجھے دیکھا ہے اس کو آگ مَس نہ کرے گی اور وہ آدمی جس نے ایسے مُسلمان کو دیکھا ہے کہ جس نے مجھے دیکھا ہو اُسے بھی آگ مس نہ کرے گی۔

صحابہ کرام اور ان کے بعد تابعین یہ دونوں طبقے اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور محبوب طبقے ہیں۔

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ میرے صحابۂ کرام کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ سے ڈرتے رہو۔ پھر فرمایا اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ سے ڈرتے رہو۔

"لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ" میرے بعد ان کو تم نشانہ نہ بنانا، اور جو میرے صحابۂ کرام سے محبّت کرتا ہے۔ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے مجھ سے محبّت ہے تو میرے ساتھیوں سے محبّت ہے۔ دراصل اس کے دل میں میری محبّت ہے تو میرے صحابہ سے بھی محبّت ہے اور دوسری طرف سے لے لیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام سے محبّت دلیل ہے اس بات کی کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے محبّت اور کامل عقیدت ہے۔

وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ اور جو میرے صحابہ سے بغض رکھتا

ہے تو میرے سے بغض رکھتا ہے اس وجہ سے وہ ان سے بغض رکھتا ہے کیونکہ صحابۂ کرام کی تو نسبت تھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف، صحابی کو صحابی کہا ہی اس لیے جاتا ہے کہ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہے۔

ارشاد فرمایا وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ اور جس نے میرے صحابہ کو دُکھ دیا اس نے مجھے دُکھ پہنچایا وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ اور جس نے مجھے دُکھ پہنچایا اس نے خدا کو ناراض کر لیا، خدا کو دُکھ پہنچایا، یعنی خدا کو ناراض کر لیا۔ وَمَنْ اٰذَی اللّٰهَ

اور جو یہ کوشش کرے یعنی خدا کو ناراض کرے فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهٗ تو قریب ہے کہ وہ اُس کی گرفت فرمائے دُنیا میں نہیں تو قیامت میں ہو گی گرفت لہٰذا صحابہ کرام کے بارے میں ذرا سی بھی گستاخی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہیں فرمائی بلکہ اس سے ڈرایا ہے۔

اور ہوتا ایسے ہے کہ کام ایک ہی ہوتا ہے نیتیں مختلف ہو جاتی ہیں ہم جو سوچیں گے تو اپنے انداز سے سوچیں گے کہ اُنھوں نے یہ کام کیا ہے تو اس نیت سے کیا ہو گا؟ تو اس واسطے ذہن میں اعتراض آئے گا، لیکن صحابہ کرام پاکیزہ قلب تھے اگر یہ تصوّر رہے ذہن میں یہ مسئلہ رہے ذہن میں کہ اللہ تعالیٰ نے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی صفائی بیان فرمائی ہے تو پھر جو کام اُنکا ہُوا ہے ایسا کہ جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ مناسب نہیں تھا تو اس کے بارے میں توجیہ کر لی جائے گی کہ اُن کی نیت یہ نہیں تھی، نیت اس سے بلند تھی۔ اُن کی نیت اس سے بہتر تھی، جو ہم سمجھ رہے ہیں ویسے نہیں تھی کیونکہ رسول کا فرمانا یہ اللہ کا فرمانا ہے، اللہ تعالیٰ خالق ہے وہ جانتا ہے دلوں کے حال کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں کی حالت ارشاد فرمائی ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے۔ مَثَلُ اَصْحَابِیْ فِیْ اُمَّتِیْ كَالْمِلْحِ فِی الطَّعَامِ "جیسے کھانے میں نمک ہوتا ہے وہ مثال ہے میرے صحابہ کرام کی کہ کھانا کتنا بھی عمدہ پکا لیا جائے لَا یَصْلُحُ الطَّعَامُ اِلَّا بِالْمِلْحِ نمک ہی سے لذّت آئے گی۔ اس میں ورنہ تو وہ پھیکا ہی کہلائے گا۔

مرچ نہ ہو تو کھا لیا جاتا ہے، لیکن نمک نہ ہو تو پھر کھانا واقعی مشکل ہوتا ہے اور نمک پانی میں ڈال کر آدمی روٹی بھگو کر کھا سکتا ہے اور اُس سے اُس کی ضرورت پُوری ہو جائے گی۔

اور نمک ایک جزء ہے بدن کا اگر وہ نہ پہنچایا جائے بدن میں تو خرابی پیدا ہو جائے گی۔ صحت خراب

ہو جائے گی تو یہ جزوِ بدن بھی ہے جزوِ ایمان بھی ہے۔

اور اِن کو دیکھتے رہو کہ انھوں نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں اور کس طرح اُنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اپنی جان نثار کی ہے۔

ایک صحابی ہیں وہ زخمی ہوگئے بدر کے مقام پر اُنھیں اُٹھا لیا گیا وہ آگئے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریبی عزیز تھے، ابو عبیدہ ابن حارث ابن ہشام رضی اللہ عنہ تو اُنھوں نے ایک شعر پڑھا۔

؎ وَ نُسْلِمُهٗ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهٗ وَ نَذْهَلُ عَنْ اَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

ہم ان کی سلامتی چاہتے ہیں حتّٰی کہ ہم اُن کے اِردگرد مارے جاتے۔ جو آدمی زخمی ہوکر گر جاتے وہ گویا صَرِعْ ہُوا۔ ہم زخمی ہوکر گر جاتے ہیں مارے جاتے ہیں مگر ان کے ساتھ ہم سلامتی چاہتے ہیں۔

اور ہم غافل ہو جاتے ہیں اپنی اولاد سے وہ بھی یاد نہیں آتی حَلَائِلْ بیویاں بھی یاد نہیں آتیں کچھ یاد نہیں آتا۔ صرف پیشِ نظر یہ رہ جاتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سلامت رہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے پائے وہ شہید ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد، لیکن اُنھوں نے اس زخم کی حالت میں انداز کریں کہ کوئی ہائے ہائے نہیں کی بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا حال تو یہ ہے ہم تو اس پر خوش ہیں۔

وہ زخمی ہیں چوٹ لگی ہُوئی ہے اور زندہ نہیں رہ سکتے ہیں ایسا زخم آیا ہُوا ہے اور پھر اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کرام میں سے کوئی آدمی اگر کسی جگہ (کیونکہ آپ نے باہر بھیجے تھے۔ صحابہ کرام وہاں جاکر وہ تعلیم، تبلیغ، جہاد سارے کام انجام دیتے تھے تو جس سرزمین میں) میرے کسی صحابی کی وفات ہو جائے اور وہاں وہ دفن ہو تو قیامت کے دن "اِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَّنُوْرًا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" وہ ان کا قائد ہوگا وہ ان کے لیے نُور روشنی کا کام دے گا۔

تو آقائے نامدار صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس طرح کے کلمات تعریفی صحابہ کرام کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں اس بناء پر سب اہلِ سنّت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے بارے میں کوئی بھی بُری بات اور بُرا خیال نہ لایا جائے، بلکہ ان سے محبّت رکھی جائے کیونکہ آپ نے فرمایا کہ جو اُن سے محبّت رکھتا ہے اس کے دل میں میری محبّت ہے، میری وجہ سے وہ صحابی صحابی بنے ہیں تو اسی وجہ سے اُسے محبّت ہُوئی ہے اُن سے تو دراصل صحابہ کی محبت جو ہے وہ بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں اُن کا ساتھ نصیب فرمائے۔

قسط : ۳۶

شب و روز کے حالات و معمولات اور اُنکے آداب و دُعائیں

حضرۃ شیخ الحدیث مولانا سید محمدؐ میاں رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف
سیرۃ مبارکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے چند اوراق

صبح شام دن یا رات کا آغاز ہوتا تو زبان مبارک پر جو دُعائیں جاری ہوتیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

اَمْسَيْنَا وَ اَمْسَى الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔	ہماری شام ہوگئی ۔ اللہ کے تمام مُلک کی شام ہوگئی ۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اللہ یکتا اور تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اسی کا ملک ہے اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر بات پر قادر ہے
اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَ سُوْءِ الْكِبَرِ وَ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَ عَذَابِ الْقَبْرِ ۔	میں تجھ سے التجا کرتا ہوں اس رات کی بھلائی کی جو اس رات میں اور میں تیری پناہ لیتا ہوں اس رات کی خرابی سے اور ان تمام چیزوں کی خرابی اور شرارت سے جو اس رات کے اندر ہیں اور تیری پناہ لیتا ہوں ۔ کسل سے بیکار کر دینے والے بڑھاپے اور بڑھاپے کے بُرے دَور سے ۔ اور تیری پناہ لیتا ہوں دُنیا کے فتنہ سے اور عذابِ قبر سے۔[1]

اوقاتِ شب کی تقسیم معمولاتِ شب کا سلسلہ ختم ہو رہا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پُوری رات کا نظام الاوقات بھی پیش کر دیا جائے ۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سیدنا

---

[1] مسلم شریف ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے[1] سے بیان فرمایا ہے کہ سیّد الانبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم رات کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

ایک حصّہ۔　خاص اپنی ذات کے لیے

ایک حصّہ۔　اللہ تعالیٰ کے لیے

ایک حصّہ۔　اپنے اہل کے لیے

(یہ تین حصّے ہوتے تھے، مگر مساوی نہیں)

جو حصّہ اپنے آرام کے لیے مخصوص فرماتے تھے۔ اس کو بھی تقسیم کر دیتے تھے۔ اس میں سے ایک حصّہ عامۃ الناس کو عطا فرماتے تھے مگر براہِ راست نہیں، بلکہ خواص کے ذریعہ۔

اس مجلس میں خاص خاص حضرات حاضر ہوتے تھے اور خصوصیت کا معیار ہوتا تھا عوام کی زیادہ سے زیادہ خیر خواہی اور ہمدردی

پس جو شخص عوام کی ہمدردی، خیر خواہی اور عوام کا بوجھ برداشت کرنے میں بڑھا ہوا تھا۔ وہ آپ کی بارگاہ کا مقرب خصوصی ہوتا تھا۔ پھر ان خواص میں مدارِ ترجیح ہوتا تھا علم وعمل۔

اس معیار پر درجات مقرر کرنا اور ہر ایک کے درجہ کے مطابق وقت دینا۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رائے پر موقوف ہوتا تھا۔ یہ حضرات آتے کوئی ایک کام لے کر۔ کوئی دو کام۔ کوئی اس سے زائد۔ آپ ان میں مشغول رہتے۔ ان کی طرف حسبِ حیثیت وحسبِ ضرورت توجّہ فرماتے تھے اور ان حضرات کو عوام میں مشغول فرما دیتے۔ یعنی آپ خود اُن کے معاملات میں بھی اُن کو ہدایت دیتے اور ان کی رہنمائی فرماتے اور ان کے ذریعہ عوام کے حالات اور ان کے رجحانات معلوم فرماتے۔ پھر ان باتوں کی تلقین فرماتے جو اُن کے لیے بھی مفید ہوتیں اور عوام کے لیے بھی۔ آپ کی خاص ہدایت ہوتی کہ ان باتوں کو اُن تک پہنچا دیں جو یہاں نہیں حاضر ہو سکتے۔

اس کے علاوہ ان کو خاص تاکید ہوتی کہ عوام کی ضرورتیں جو خود وہ نہیں پہنچا سکتے۔ یہ حضرات اُن کو دربارِ رسالت میں پیش کریں۔

---

[1] شمائل ترمذی شریف باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

ارشاد ہوتا کہ

من ابلغ سلطانًا حاجةَ من لا یستطِیع ابلاغہا ثبت اللہ قدمیہ یوم القیامَةِ۔

جو شخص اس پسماندہ کی ضرورت صاحبِ اقتدار تک پہنچائے جس کو وہ خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ تعالیٰ اُس کو قیامت کے روز ثابت قدم رکھے گا۔

یہ حضرات اس بارگاہ میں طالب بن کر حاضر ہوتے تھے اور رہنما بن کر یہاں سے باہر آتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ اوقاتِ شب کی تقسیم اس طرح ہوتی۔ ثلثِ اوّل کے ختم تک نمازِ عشاء اور اس سے پہلے نمازِ مغرب۔ نوافل۔ پھر اگر مہمان ہوتے تو اُن کا کھانا وغیرہ۔ ثلث سوم جس کو احادیث میں ثلث اللّیل الاٰخر فرمایا جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔

درمیان کا ثلث اُمّت کے لیے بذریعہ خواص نیز اہل کے لیے اور آرام فرمانے کے لیے۔

اِنَّ لَکَ فِی النَّھَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا (سورہ مزمّل)

بے شک تم کو دن میں بہت کام رہتا ہے۔

دن کے اوقات، معمولات، مشاغل اور دُعائیں

دن کے اوقات اور مشاغل کو سوانح حیات کہا جاتا ہے یہ تمام کتاب سوانح حیات کی کرن ہے یہاں ان چند معمولات کے آداب لکھے جاتے ہیں جن پر ہر شخص کو لا محالہ عمل کرنا پڑتا ہے۔

مکان سے نکلتے وقت :

(۱) بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ

اللہ کے نام پر، اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس سے بہتر نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

(۲) بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْ نَضِلَّ اَوْ نَظْلِمَ اَوْ نُظْلَمَ اَوْ

اللہ کے نام پر اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اے اللہ ہم پناہ لیتے ہیں تیری اس سے کہ ہمارے قدم ڈگمگا جائیں یا ہم گمراہ ہوجائیں یا ہم ظلم کریں یا ہم مظلوم ہوں (ہم پر ظلم کیا جائے) یا ہم جہالت

نَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيْنَا۔[1] کریں (لڑیں جھگڑیں) یا ہم پر جہالت کی جائے۔ (ہم سے لڑا جھگڑا جائے۔)

مکان میں داخل ہوتے وقت، پہلے یہ دُعا پڑھیے۔ پھر اہل خانہ کو سلام کیجیے۔[2]

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ الْمَوْلَجِ وَخَيْرَ الْمَخْرَجِ — اے اللہ میں التجا کرتا ہوں تجھ سے اچھے داخلہ اور اچھے خارجہ کی۔

بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ رَبِّنَا تَوَكَّلْنَا — اللہ کے نام پر ہم داخل ہو رہے ہیں اور اللہ پر جو ہمارا رب ہے ہم بھروسہ کرتے ہیں۔

بازار میں داخل ہوں:[3]

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ — خدا وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اُسی کا ہے ملک اُسی کی ہے حمد، وہی زندگی بخشتا ہے، وہی موت دیتا ہے اور وہ خود زندہ ہے اس کو موت نہیں اُسی کے قبضہ میں ہے خیر اور بھلائی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مجلس سے اُٹھتے وقت:[4]

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْكَ — اے اللہ میں تیری پاکی کا اقرار کرتے ہوئے تیری حمد کرتا ہوں، میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں میں تیری مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں (توبہ کرتا ہوں)

کوئی پریشانی پیش آئے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

---

[1] صحاح بحوالہ مشکوٰۃ

[2] ابوداؤد ابن ماجہ از مشکوٰۃ [3] ترمذی شریف، ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف [4] ترمذی شریف

کسی پریشان حال معذور پر نظر پڑ جائے تو[1]

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا۔	حمد اس اللہ کی جس نے مجھے عافیت بخشی اس سے جس میں تجھ کو مُبتلا کیا اور مجھے ان میں سے بہت سوں پر فضیلت بخشی جن کو پیدا کیا (بہت سی مخلوق پر فضیلت بخشی)

یہ چند حالات اور اُن کے متعلق دُعائیں اور آداب بیان کیے گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے حالات ہیں۔ مثلاً کھانا، پینا، انسانی حوائج پوری کرنا۔ جنسی تعلق کو عمل میں لانا یا مثلاً چھینکنا، جمائی لینا، نیا لباس پہننا، نیا پھل دیکھنا، چاند دیکھنا، بارش برسنا، بادل گرجنا، آندھی، طوفان، چاند گہن، سورج گہن، بیماری، علاج، بیماری کے مختلف حالات یا مثلاً دُشمن کا دباؤ، مقدمہ وغیرہ یا مثلاً سفر کرنا۔ سفر کے لیے روانہ ہونا کہیں پڑاؤ ڈالنا، کسی کا مہمان بننا۔ کسی مقام پر قیام کے لیے اُترنا، روانہ ہونا یا مثلاً تقریبات میں شرکت وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کے آداب ہیں۔ احادیث مُبارکہ میں دُعائیں وارد ہوئی ہیں بقول حضرت سلمان رضی اللہ عنہ۔ اُمّتِ محمّدیہ کو اس کے آقا۔ نامدار (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ہر بات بتائی ہے حتّٰی کہ قضاءِ حاجت کا طریقہ بھی بتایا ہے اور یہی معنے ہیں "تزکیۂ کامل" کے، کہ زندگی کے ہر ایک گوشہ اور ہر ایک جزو کو آپ نے سنوارا ہے۔ "فداہ روحی وابی واُمّی" صلّی اللہ علیہ وسلّم یہاں ان سب کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ مشاغلِ شب کے سلسلہ میں سونے اور جاگنے کے کچھ آداب اور دُعائیں بیان کی گئیں۔ اب دن کے کاموں میں ملاقات کے آداب بیان کیے جا رہے ہیں۔ پھر مجلس مُبارک کے آداب اور خصوصیات پر اس بیان کو ختم کیا جا رہا ہے۔

آدابِ مُلاقات

آپ کسی کے یہاں جائیں

(۱) پہلے اجازت حاصل کیجیے۔ مکان پر پہنچ گئے ہیں تو سلام بھی کیجیے اور یہ کہیے۔

السّلام علیکم، کیا حاضر ہو سکتا ہوں، اگر اجازت مل جائے تو اندر جائیے اور اگر صاحبِ مکان معذرت کر دے تو واپس ہو جائیے بُرا نہ مانیے۔ (آیت ۲۷ سورۃ ۲۴ نور)

---

[1] ترمذی و ابنِ ماجہ

(۲) اگر اندر سے جواب نہ آئے تو دوسری مرتبہ پھر تیسری مرتبہ اسی طرح سلام کیجیے۔ پھر آپ سمجھ لیجیے کہ اس وقت ملاقات کا موقع نہیں ہے۔ کوئی عذر ہے۔ لہٰذا واپس ہو جایئے اور بُرا ہرگز نہ مانیے۔[۱]

(۳) اجازت لینے کے وقت آپ آڑ میں کھڑے ہوں، ایسی جگہ نہ کھڑے ہوں کہ سامنا ہو، البتہ اگر صاحب مکان جن سے اجازت لینی ہے سامنے ہوں تو آپ سلام کریں اور اندر حاضر ہونے کی اجازت لے لیں۔[۲]

(۴) اندر جھانکنا معیوب ہے۔ ارشاد ہوا۔ اذا دخل البصر فلا اذن[۳] جب نظر اندر پہنچ گئی تو اب اجازت لینے کا کیا مطلب ؟

(۵) خود اپنے مکان میں بھی سلام کر کے اور پکار کر جایئے۔ گھر میں پہنچ کر گھر کے آدمیوں کو سلام کیجیے۔[۴]

(۶) سلام۔ دعا ہے، گرم جوشی سے دعا کرو اور بڑھا کر کہو، یعنی یہ کہو۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[۵]۔

(۷) اگر اندر سے پوچھا جائے کون۔ تو آپ نام بتایئں۔ یہ نہ کہیں "میں" اندر والا کیا جانے "میں" کون۔[۶]

(۸) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ایک صحابی کو ہدایت فرمائی۔ ناغہ کر کے ملنے جایا کرو۔ اس سے محبّت بڑھے گی۔[۷]

(۹) آپ نے رات کو کسی کے یہاں پہنچ جانے سے ممانعت فرما دی یہاں تک کہ بلا اطّلاع اپنے گھر میں پہنچنے کی بھی اجازت نہیں دی۔[۸]

(۱۰) اندر داخل ہو کر سب سے بڑھیا جگہ نہ بیٹھے۔[۹] جہاں جگہ ملے بیٹھ جایئے۔ یہ صاحبِ مکان کا کام ہے کہ وہ آپ کو کہاں بٹھائے۔

کوئی آپ کے یہاں آئے

حضرت زید بن حارثہؓ حاضر خدمت ہوئے سیّد الانبیاء۔ کُرتا اُتارے ہوئے تھے۔ چادر کا ایک کنارہ مونڈھے پر تھا۔ خبر پاتے ہی شوقِ ملاقات میں کھڑے ہو گئے، ان کو گلے لگایا۔ سر کو بوسہ دیا[۱۰]

حضرتِ اُم ہانی خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے فرمایا مرحبا اُم ہانی اُم ہانی مرحبا۔[۱۱]

---

[۱] ترمذی شریف وابو داؤد شریف [۲] ابوداؤد شریف [۳] ابوداؤد شریف [۴] سورۃ ۲۴ نور آیت ۶۱ [۵] تحیۃ من عند اللہ مبارکۃ طیبۃ۔ سورۃ نور آیت ۶۱ [۶] ابوداؤد شریف [۷] صحاح [۸] ترمذی شریف وغیرہ [۹] ترمذی شریف وغیرہ [۱۰] ترمذی شریف ص ۹۸ ج ۲ ۔ [۱۱] ایضاً

بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو سرپنچ بنایا گیا تھا وہ فیصلہ سنانے کے لیے مسجد میں آئے تو آپ نے حاضرین سے فرمایا۔

قوموا الی سیّدکم ۔ تمہارے سردار آرہے ہیں کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرو۔[1]

غزوۂ حنین کے بعد ایک وفد کے ساتھ آپ کی رضاعی بہن شیما آئیں تو فرطِ مسرّت سے آپ نے مرحبا فرمایا۔ اپنی چادر بچھادی اور اپنے پاس اُن کو چادر پہ بٹھایا۔[2]

مختصر یہ کہ آنے والے کے متعلّق تعلیم یہ ہے کہ

ان کی آمد پر خوشی ظاہر کی جائے۔ کھڑے ہوکر استقبال کیا جائے۔ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائیے۔[3] کچھ عرصہ بعد ملاقات ہُوئی ہے تو معانقہ بھی کیجیے۔ پھر تعظیم سے بٹھایئے۔ بُرے کی بُرائی اپنی جگہ۔ جب وہ آپ کے یہاں آیا ہے تو اخلاق سے پیش آنا آپ کا فرض ہے۔ ارشادِ گرامی ہے کہ بدترین شخص وہ ہے کہ لوگ اس سے اس لیے ملنا پسند نہ کریں کہ وہ بدخو اور ترش مزاج ہے۔[4]

واپس ہو

جب کوئی رُخصت ہوتا تو آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم محبّت اور مہربانی سے اس کا ہاتھ اپنے دستِ مُبارک میں لیتے اور جب تک وہ اپنا ہاتھ نہ ہٹاتا۔ آپ اس کا ہاتھ لیے رہتے اور یہ دُعا فرماتے۔

اَسۡتَوۡدِعُ اللّٰهَ دِيۡنَكُمۡ وَاَيۡمَانَكُمۡ　　اللہ کے سُپرد کرتا ہوں تمہارا دین ۔ تمہارا
وَخَوَاتِيۡمَ اَعۡمَالِكُمۡ۔[5]　　ایمان اور خاتمہ اعمال

سلام وجوابِ سلام

ارشادِ ربّانی ہے۔

اِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَسِيۡبًا۔ (سورۃ ۴ نساء)

جب تم کو دُعا دی جائے کوئی دُعا (مثلاً سلام کیا جائے)، تو تم بھی دُعا دو، اس سے بہتر یا وہی کہو اُلٹ کر بے شک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

---

[1] بخاری شریف ص ۹۲۶　[2] الاصابہ۔ ذکر شیما۔　[3] بخاری شریف ص ۹۲۶　[4] بخاری شریف ص ۹۰۵
[5] ترمذی شریف ص ۱۸۲ ج ۲

(بقیہ بر ص ۵۶)

شخصیات

یادِ یاراں

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بازگو از نجد و از یارانِ نجد   تا در و دیوار را آری بوجد
یادِ یاراں یار را میموں بود   خاصہ کان لیلی و این مجنوں بود

یہ چند سطور بے سروپا حضرت قطب العارفین کہف الطالبین مولانا رشید احمد المحدث الفقیہ الصوفی قدّس اللہ سرّہٗ السّامی کے تذکرہ میں ہیں جو بے خوض و تأمّل اس ناکارہ سیہ نامہ کے ذہن میں بے تکلّف حاضر ہوا منشا اس کا صرف مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ ہے اور غایت اس کی طالبِ سبیلِ حق کو ایک نمونہ اہتداء و اقتداء کے لیے دکھلانا ہے وبس۔ اس لیے اُمّید ہے کہ عنوان کی بے ربطی پر التفات نہ فرما کر اصل مُعَنْوَن سے منتفع ہونے پر نظر رکھی جاوے گی۔

تذکرہ ۱۔ سب سے اوّل اس نا اہل کو اُس مرکزِ دائرۂ ارشاد کی زیارت اُس وقت ہوئی جب میں مدرسۂ دیوبند میں پڑھتا تھا اور وہاں حضرت اپنی تشریف آوری سے اہلِ مدرسہ و اہلِ شہر کو گاہ گاہ مشرف فرمایا کرتے تھے سن یاد نہیں رہا۔ دیکھنے سے میرے قلب میں جو عقیدت و محبّت پیدا ہُوئی وہ میرے لیے باعث اس کی ہُوئی کہ باوجود حقیقت و غایت بیعت کی نہ سمجھنے کے مَیں نے بیعت کی درخواست کی چونکہ طبیبِ حاذق کو مریض کی رائے کا اتباع ضروری نہیں بلکہ اگر ایسا کیا جاوے تو مریض کے لیے مُضِر بھی ہے، اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب تک علم سے فراغ نہ ہو جاوے اُس وقت تک ایسا خیال وسوسۂ شیطانی ہے۔ اُس وقت میری میری سمجھ میں اس جواب کی حقیقت اور عظمت اور حکمت مطلق نہ آئی اور غلط فہمی سے اس کو دَفْعُ الْوَقْتِیْ پر محمول کیا لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب حضرتؒ کے اعلیٰ درجہ کی شانِ ارشاد و تربیت کی دلیل ہے۔ تفصیل اِس کی یہ ہے کہ شیطان کا اصل مقصود انسان کو ضرر پہنچانا ہے اور ضرر کچھ معصیت ہی میں منحصر نہیں اگرچہ وہ اعلیٰ درجہ کا ضرر ہے لیکن ایک فردِ ضرر کی یہ بھی ہے کہ کسی طاعت سے اور اُس کے ثواب

سے محروم کردے گو اُس سے کم درجہ طاعت میں مشغول کردینے ہی سے کیوں نہ ہو پس ضرر قسمِ اوّل کا اِدْراک تو اکثر صلحاء بلکہ عامۂ مسلمین کو بھی ہوجاتا ہے لیکن دوسری قسم کے ضرر کا اِدْراک کرنا مخصوص ہے محققین بلکہ صدیقین کے ساتھ اِسی لیے حدیث میں ہے " فَقِیْہٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنْ اَلْفِ عَابِدٍ فقیہ ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں جو حقائق وَعِلَلِ خفیہ و دقیقہ کو سمجھ سکے پس شیطان اس طریقۂ اغواء کو بڑی گہری نظر کے بعد تجویز کرتا ہے اور واقع میں ہے بھی گہری بات کیونکہ جہاں گناہ کرا سکنے پر قادر ہونے میں کامیابی کی اُمّید نہ ہو وہاں نقصِ ثواب ہی کو غنیمت سمجھنا نہایت گہرے درجہ کی عَداوَت ہے اور یہ فقیہِ مُبَصَّرْ نورِ وہبی سے اس کا ادراک کرکے اس کی قلعی کھول دیتا ہے اور اُس کا بنا بنایا منصوبہ ایک دم میں غلط کرتا ہے پس اُس پر نہایت درجہ شاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ تحصیلِ علومِ دینیہ بوجہ اس کے کہ خود بھی انسان کے لیے بہت مواقع زَلّت میں آلۂ ہدایت ہے۔ و نیز اس وجہ سے کہ اس کا نفع مُتَعَدِّی بھی ہے لاریب کثرتِ اوراد نوافل و نحوہا سے افضل ہے اور تجربہ سے یہ بات بھی تقریباً مُتَیَقَّن ہے کہ بیعت کے خواص لَازِمَہ عَادِیَہ سے ہے کہ اُس کے بعد ان اُمور کی طرف میلان و رغبت کی زیادتی ہوتی ہے اور عقلی مسئلہ ہے کہ اَلنَّفْسُ لَا تَتَوَجَّہُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ اٰنٍ وَاحِدٍ پس اس مجموعہ کا لازمی نتیجہ علومِ دینیہ سے بے رغبتی ہوتا ہے اور کسی امر کی تکمیل بلا رغبت ہوتی نہیں پس ضرور ایسی حالت میں علم ناقص رہے گا جس پر کبھی تو بوجہ جہلِ بعض اُمورِ ضروریہ کے ضررِ اعتقادی یا عملی مرتّب ہو جاتا ہے جو ضررِ قسمِ اوّل ہے اور اَقَلُّ درجہ طاعتِ اَعظم سے حرمان تو ضرور ہی ہوتا ہے جو ضررِ قسمِ دوم ہے اس مضمون کی بعضی مثالیں حضرت قطب الوقت ابن عطاء اسکندری نے اپنے رسالہ تنویر میں خُوب لکھی اور اِسی مضمون میں حضرت عارف مسعود بکؒ فرماتے ہیں

؎ اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید معشوق درینجاست بیائید بیائید

سو اس میں خطاب عام نہیں ہے بلکہ صرف خاص اُن کو ہے جن پر حج فرض نہیں اور اُس سے زیادہ ضروری طاعت اصلاحِ نفس کو چھوڑ کر حج کو جاتے ہیں یہ حقیقت ہے۔ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے جوابِ باصواب کی فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ وَ لِلّٰہِ بِرُّہٗ

تذکرہ ۲ ۔ جب اس احقر کا گنگوہ نکاح ہوا غالباً ۱۲۹۸ھ تھا۔ والد صاحب مرحوم کی درخواست پر شیخ غلام محی الدّین مرحوم بن عالی جناب حافظ عبدالکریم رئیس اعظم چھاؤنی میرٹھ کے والد مرحوم ان کی ریاست

ہیں مختار تھے۔ شادی میں شامل ہونے کے لیے میرٹھ تشریف لائے تھے اور گنگوہ بھی تشریف لے گئے تھے۔ نکاح حضرت قدّس اللہ سرّہٗ نے پڑھا تھا۔ جب حضرت مجلسِ نکاح سے تشریف لے گئے تو شیخ غلام محی الدین صاحب مرحوم بھی ساتھ ہولیے ایک موقع پر خود احقر سے بیان فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگ دیکھے بڑے بڑے حکام سے ملا اور بات چیت کی، لیکن جو رُعب و ہیبت حضرت کی دیکھی، کسی میں نہیں دیکھی یہ حالت تھی کہ بات کرنا چاہتا تھا مگر ہمت نہ پڑتی تھی بڑی مشکل سے اتنی جرأت ہوئی کہ نذر پیش کر سکا یہ شیخ صاحب مرحوم شناسی و عالی حوصلگی میں مسلّم و معروف تھے اُن کی یہ شہادت ایک باوقعت شہادت ہے اسی ہیبت کے باب میں کہا ہے۔

ہیبت حق ست و ایں از خلق نیست الخ

تذکرہ ۳ ۔ حق پرستی کی یہ شان تھی کہ ایک بار میرٹھ حضرت قدّس اللہ سرّہٗ کی خدمت میں ایک استفتاء گیا واقعہ یہ تھا کہ حافظ محمد امیر دہلوی مرحوم امام جامع مسجد لال کورتی میرٹھ نے رمضان کے عشرۂ اخیرہ حالتِ اعتکاف میں میاں بھورے خزانچی کوٹھی جناب شیخ الٰہی بخش صاحب کو کچھ زیور نونگہ یا جوشن بلوانے کے واسطے دیا وہ مسجد میں وضو کرنے کے سائبان میں ایک الماری میں رکھ کر وضو کرنے لگے، اور وضو کر کے اُس کو بھول کر چلے گئے پھر جو آکر دیکھا تو ندارد۔ امام صاحب اور خزانچی صاحب میں اختلاف ہوا حضرتؒ کے یہاں سوال بھیجا گیا۔ حضرتؒ نے قاعدہ کلیہ سے جواب تحریر فرمادیا کہ یہ شخص امین ہے اور کوئی تعدی اُنہوں نے امانت میں نہیں کی اِس لیے ضمان لازم نہ آوے گا۔ اتّفاق سے یہ احقر کانپور جاتا ہوا میرٹھ اُترا، اِن صاحبوں نے مجھ سے بھی سوال کیا میں نے کتاب نہ ہونے کا عذر کیا اور صرف سوال کی نقل لے کر کانپور چلا گیا اور وہاں طحطاوی میں ایک جزئیہ ملا کہ اگر امین رکھ کر بھول کر کھڑا ہو جاوے تو یہ نسیان عذر نہیں میں نے اس جزئیہ کے موافق جواب لکھ کر بھیج دیا پھر جو اُن صاحبوں سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے بیان کیا کہ ہم نے وہ جواب حضرت قدّس اللہ سرّہٗ کے ملاحظہ کے لیے بھیجا تھا۔ حضرتؒ نے اس کی تصحیح اور جوابِ سابق سے رجوع کی تصریح تحریر فرمادی سبحان اللہ حق پرستی کی کیا شان تھی۔

تذکرہ ۴ ۔ میں نے دیوبند میں مولوی ضیاء الحق مرحوم داماد حضرت مولانا رفیع الدین مرحوم مہتمم مدرسہ کے پاس چند سوالات کے جواب حضرت قدّس اللہ سرّہٗ کے لکھے ہوئے دیکھے ایک سوال یہ بھی تھا کہ بچّہ کو نزع کی تکلیف کیوں ہوتی ہے اُس پر حضرت کا یہ جواب لکھا ہوا تھا کہ مجھ کو تحقیق نہیں سُبحان اللہ وما انا

مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنُ پر عمل اس کو کہتے ہیں۔

تذکرۂ ۵ ۔ جب والد مرحوم کا ۱۳۰۵ھ میں انتقال ہوا میں نے کچھ سوالات متعلقہ جائداد ترکہ کے حجام کے ہاتھ حضرت قدّس اللہ سرّہٗ کی حضور میں بھیجے اور جلدی جواب عطا فرمانے کے لیے عرض کر دیا۔ سوال بہت سے تھے اور اتّفاق سے اُس وقت حضرت کو آشوبِ چشم کی تکلیف تھی، مگر اللہ رے دین کی خدمت اور احکام کی اشاعت کہ اُس حالت میں سب جواب تحریر فرما دیے اور اختصارِ اَجوبہ کی وجہ میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ آشوب چشم میں مُبتلا ہوں چنانچہ چشم بند کردہ جواب لکھ رہا ہوں اھ دین کے لیے ایسی مشقت گوارا کرنا اللہ و رسول کی سچّی محبّت یہ ہے۔

تذکرۂ ۶۔ مَیں نے اُسی واقعہ کے متعلّق یہ رائے بھی لی تھی کہ اگر جائداد نہ رکھوں تو کیسا ہے حضرت قدّس اللہ سرّہٗ نے ارشاد فرمایا کہ اگر رکھو رُخصت ہے اور اگر نہ رکھو جب بھی حق تعالیٰ روزی سے تم کو کبھی پریشان نہ کرے گا اھ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک جس آرام سے یہ نالائق بسر کر رہا ہے ہرگز اس لائق نہ تھا یہ حضرتؒ کی صریح کرامت ہے، خواہ حسیہ اگر کہا جاوے کہ آپ کو کشف ہوا تھا یا معنویہ اگر کہا جاوے کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل کر کے فرما دیا تھا ایسا اعتماد کشف سے ہزاہا درجہ بڑھ کر کرامتِ عظمیٰ ہے۔

تذکرۂ ۷۔ میں جب ۱۳۱۰ھ یا ۱۳۱۱ھ میں عازم سفر حجاز ہوا تو ایک بار حاضری کے بعد مکرر عین وقت پر عریضہ کے ذریعہ سے حضرت قدّس اللہ سرّہٗ کی خدمت میں اپنی تیارئ سفر کی اطلاع کی حضرتؒ کا جو جواب آیا اُس میں لکھا تھا کہ وہاں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچ کر مجھ کو بھی یاد رکھنا اور یہ شعر تحریر فرمایا۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی　　بیاد آر حریفانِ بادہ پیما را

اس سے حضرت قدّس اللہ سرّہٗ کا کمالِ تواضع ظاہر ہے کہ ایسے نااہل سے ایسی فرمائش یہ قصّہ بعینہٖ مثل اُس کے ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اجازت عمرہ کی مانگی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بھائی ہم کو بھی دُعا میں شریک کرنا بھولنا مت۔ پس تواضع کے ساتھ کمالِ اتّباعِ سُنّت بھی اِس قصّہ سے ثابت ہے۔

تذکرۂ ۸۔ جب میں مکّہ معظّمہ سے چلنے لگا تو حضرت حاجی صاحب قدّس اللہ سرّہٗ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا رشید احمد صاحب سے کہہ دینا کہ گو آپ کے مخالف لوگ یہاں آکر طرح طرح کی باتیں لگاتے ہیں

ہیں، مگر آپ اطمینان رکھیں یہاں اُن کا کچھ اثر نہیں ہوتا ہماری آپ کی محبت اللہ کے واسطے ہے اور جب اللہ باقی ہے اسی طرح جو محبت اللہ کے لیے ہوتی ہے وہ بھی باقی ہوتی ہے اور مَیں نے جو "ضیاء القلوب" میں آپ کی نسبت کچھ لکھا ہے وہ الہام سے لکھا ہے کیا میرا وہ علم اب بدل جاوے گا اھ چنانچہ احقر نے واپس آکر سب ملفوظات عرض کر دیے، حضرت قُدِّس سرّہٗ نے فرمایا بھائی ہم تو توکل کیے بیٹھے ہیں اس سے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں جو گنجائش حضرت مولاناؒ کی تھی اور جو اس شہادت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اور ایسے شیخ کامل کی شہادت ظاہر ہے کیا وقعت رکھتی ہے۔

تذکرہ ۹ - پیشاب کرکے جو کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیثِ مرفوع سے اس کا ثبوت نہیں ایک بار حضرتؒ سے دریافت کیا آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیثِ مرفوع پڑھ دی "اِسْتَنْزِ هُوْا مِنَ الْبَوْلِ" اور کلوخ لینا یقیناً اِسْتِنْزَاہْ میں داخل ہے پس بالکل اطمینان ہوگیا اس واقعہ سے حضرت قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ کی فقاہت اور قوتِ استنباط اَظْهَرُ مِنَ الشَّمْسِ ہے۔

تذکرہ ۱۰ - ایک بار میں نے یا میرے سامنے کسی اور نے یہ پوچھا کہ یاجوج و ماجوج اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں یا نہیں فوراً ارشاد فرمایا کہ جانتے ہیں اور استنباط میں وہ حدیث ارشاد فرمادی کہ جب نکلنے کا وقت مُقدّر آویگا تو دیوار کھود کر کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل یہاں سے نکل جاویں گے اھ اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔

تذکرہ ۱۱ - تَشَهُّد میں جو رفعِ سَبَّابہ کیا جاتا ہے اس میں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقاء کس وقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں حضرت قَدَّسَ اللہُ سِرَّہٗ کی حضور میں پیش کیا گیا۔ فوراً ارشاد فرمایا کہ ترمذی کی "کتابُ الدَّعْوات" میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دُعا پڑھی اور اس میں سبّابہ سے اشارہ فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ دُعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اُسکا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے اس سے بھی سرعتِ انتقالِ ذہنی اور ملکۂ استنباط بخوبی روشن ہے اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو "باب التشہد" میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے۔

تذکرہ ۱۲ - ایک بار بعض وجوہِ خاصّہ سے آبادی سے الگ خَلْوَتْ اختیار کرنے کی پسندیدگی حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی حضور میں عرض کی گئی فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے جنگل میں رہنا پسند نہیں کیا اس میں ارشاد

ہے مصلحت کی طرف اور تنبیہ ہے کیدِ نفس پر کیونکہ بعض اوقات نفس کو ایسے خیالات سے وہی امور مقصود ہوتے ہیں جو اَحیاناً ایسے افعال پر از قبیلِ مفاسد مرتّب ہو جاتے ہیں یعنی شہرت وعُجب و تحقیرِ خَلق اس سے شان ارشاد اور تربیت کی عیاں ہے اور اس عنوان سے کہ ہمارے بزرگوں نے الخ کس قدر تأدُّب و تواضع مترشح ہے کہ اپنی طرف منسوب نہیں فرمایا۔

تذکرہ[۱۳] ۔ (متضمن بعض احساناتِ عظیمہ بریں آلودۂ اَدْنَاسِ ذَمِیْمَہ) حسبِ ارشادِ نبویؐ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ۔

یوں تو ہر صحبت اور ہر مُخَاطَبَتْ میں کچھ نہ کچھ فیض و احسان فائض رہتا تھا لیکن خصوصیت کے ساتھ دو احسان زیادہ قابلِ ذکر ہیں ایک علمِ ظاہری کے متعلّق دوسرا باطن کے متعلّق، اوّل کا مختصر بیان یہ ہے کہ میں مدّت تک مسائلِ اختلافیہ میں اَہْلُ الْحَق وَاَہْلُ الْبِدعۃ کے متعلّق باوجود صحّتِ عقیدہ کے (وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ) ایک غلطی میں مُبتلا رہا اور اُس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال مُتَفَرِّع رہے۔ یعنی بعض اعمالِ رسمیہ مثل مجلسِ متعارف میلاد شریف وَ اَمْثَالُہ، سے جو محققین بعض مفاسد کی وجہ سے عَوَامُ النَّاسْ کو مطلقاً اور اُن عَوَامُ النَّاسْ کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں۔

اُن مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور اُن کے مُبَاشِرْ کو ہمیشہ مَلُوْم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اور عوام النّاس کو ہمیشہ اُن مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا رہتا تھا، لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں جہاں علت نہ ہوگی مَعْلُوْل بھی نہ ہوگا۔ پس خواص جو کہ اُن مفاسد سے مُبَرَّا ہیں اُن کو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام کو بھی عَلَی الْاِطْلَاقْ روکنے کی حاجت نہیں بلکہ اُن کو نفسِ اعمال کی اجازت دے کر اُن کے اُن مفاسد کی اصلاح کر دینا چاہیے بلکہ اِس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہو جاوے گی جس کا فسادِ مدارِ نہی ہے اور بالکل منع کر دینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی۔ ایک مدّت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس و تدریس فقہ وحدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا حضرت قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایتِ رأفت و شفقت سے مولوی منوّر علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اِس امر میں میری نسبت تأسُّف ظاہر فرمایا اور اُسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا تھا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت

کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے بہ خیال خُذْ مَاصَفَا وَدَعْ مَاکَدِرَ بعض اذکار اشغال کی تلقین بھی حاصل کر لی تھی اور آمد و رفت اور صحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا اور لزومِ مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوتے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق و باطل پر تقریرًا متنبہ کرتے رہنا دفعِ مفسدہ کے لیے کافی ہے سو حضرتؒ نے خصوصیت کے ساتھ اس پر بھی تأسّف ظاہر فرمایا اور غایتِ کرم یہ قابل ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غایتِ کرم وحیا سے بِالْمُشَافَہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے۔ اسی طرح حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے باوجود حاضری کَرَّۃً بَعْدَ مَرَّۃٍ کے بِالْمُشَافَہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس زیادہ لطف وکرم یہ کہ اگر کبھی کسی نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اُس کو مَحْمَلِ حَسَنْ پر محمول فرمایا اور اُسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ وکعبہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر دربابِ ممانعتِ تنازع و اختلاف مسائل مَعْہُوْدَہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجھ کو اُس کی تفصیل کا حکم دیا چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اُس کی تفصیل بھی اُسی کے موافق عنوان سے حَیِّزِ تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کی حضور میں اُس کو سُنایا چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بوجہ لزومِ خلوت وقلّتِ اِخْتِلَاطْ مَعَ الْعَوَام و بِنا بر غلبۂ حُسنِ ظن عوام کے حالت اور جہالت اور ضلالت پر پورا التفات نہ تھا لامحالہ اُس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل مَعْنُوْن حضرت نے از خود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا لہٰذا حضرتؒ نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط و مُہر سے مُزَیَّنْ فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان "فیصلہ ہفت مسئلہ" شائع کر دیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں نے اپنی بدعات کا مُؤَیِّد سمجھا وَاَنّٰی لَھُمْ ذٰلِکَ کیونکہ اُن مفاسد کا اُس میں بھی صراحۃً رَد ہے۔ صرف خوش عقیدہ خوش فہم لوگوں کو البتہ رُخصت و وُسعت اُس میں مذکور ہے جس کا مَبْنٰی وہی خیالِ مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خواص پر کیوں اثر پڑے۔ غرض حضرت قَدَّسَ اللہ سِرَّہٗ نے اس سب کے متعلق مولوی منوّر علی صاحب سے تذکرہ فرمایا۔ مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرت کے قوّتِ فیضان سے اجمالاً تو مجھ کو فورًا اپنی غلطی پر تَنَبُّہ ہو گیا، لیکن زیادہ بصیرت کے لیے میں نے اس بارہ میں مُکَاتَبَتْ کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں اور وہ تحریرات سوانح[1] میں

---

[1] یعنی تذکرۃ الرشید میں

چھپ چکی ہیں۔ بالجملہ نتیجہ یہ ہُوا کہ مجھ کو بصیرت و تحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع ہوگئی اور اُس پر اطلاع ہونے سے ایک بابِ عظیم علم کا جو کہ مدّت تک مُغلَق تھا مفتوح ہوگیا جس کا ملخص یہ ہے کہ مدارِ نہی فِی الْوَاقِعْ فسادِ عقیدہ ہی ہے، لیکن فسادِ عقیدہ عام ہے۔ خواہ فاعل اس کا مُباشِر ہو خواہ اُس کا سَبَبْ ہو پس فاعل اگر جاہلِ عامی ہے تو خود اُسی کا عقیدہ فاسد ہوگا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر اُس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا، اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور گو تقریر سے اُس فساد پر تنبیہ عوام کی ممکن ہے مگر کُل عوام کی اس سے اصلاح نہیں ہوتی اور نہ سب تک اس کی تقریر پہنچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سُنا اور اصلاح کا مضمون اس تک نہ پہنچا تو یہ شخص اُس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بن جاوے تو بُرا ہے اور ہر چند کہ بعض مصلحتیں بھی فعل میں ہوں، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بِالذّات نہ ہو وہاں اُس فعل ہی کو ترک کر دیا جاوے گا۔ پس اس قاعدہ کی بناء پر اُن مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کریں گے بلکہ اُن مفاسد سے احتراز کے لیے اس فعل کو ترک کر دیں گے، البتہ جو فعل ضروری ہے اور اُس میں مفاسد پیش آویں وہاں اُس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حَتَّی الْاِمْکَانْ اُن مفاسد کی اصلاح کی جاوے گی، چنانچہ احادیثِ نبویہ و مسائلِ فقہیہ سے یہ سب احکام و قواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں اُن میں سے کسی قدر رسالہ "اصلاح الرسوم" میں بندہ نے لکھ بھی دیا ہے جب میرے اِس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اس کے سب فروع و آثار کی اصلاح بفضلہ تعالیٰ ہوگئی، چنانچہ خلافِ شریعت درویشوں کی صحبت و تَلَقّی سے بھی نجات ہُوئی اور "فیصلہ ہفت مسئلہ" کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا جس سے اُس کے متعلق اہلِ افراط و تفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا۔ اور دوسرا احسان متعلق باطن کے سوا اُس کی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہے اور نیز وہ قصّہ بھی نہایت دردناک اور ناگوار ہے۔ اس لیے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامت اعمال و کثرتِ مَعَاصِیْ سے مجھ پر ایسی ایک حالت شدید طاری ہُوئی تھی کہ باوجود صحّتِ بدنی کے زندگی سے مایُوسی تھی بلکہ موت کو ہزارہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اُس کو اِس سے زیادہ عنوان سے تعبیر نہیں کر سکتا کہ

دو گونہ رنج و عذاب ست جانِ مجنوں را　　بلائے فرقتِ لیلیٰ و صُحبتِ لیلیٰ

اُس وقت حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے دعا و تعلیم و ہمّت سے خاص توجّہ فرمائی جس سے ہوش و حواس درُست ہُوئے اور جان میں جان آئی اور اُس حالت کے طرئیان کے اور پھر اُس کے زوال کے منافع بحمد اللہ محسوس ہُوئے۔ اِن دونوں احسانوں کو اُمیّد ہے کہ عمر بھر نہ بھولوں گا اور حکم بھی یہی ہے۔ مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ

تذکرہ ۱۴ ۔ ایک دقیق کمال حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ میں یہ پایا کہ کبھی ہنسنے کی آواز نہیں سُنی گئی یا زیادہ کھل کر ہنستے ہُوئے نہیں دیکھے گئے۔

تذکرہ ۱۵ ۔ اسی طرح کبھی مَغْلُوْبُ الْغَضَبْ نہیں پائے گئے اور یہ دونوں امر شعبہ ہیں اتّباعِ سُنّت کے طبعی ہوجانے کا۔

تذکرہ ۱۶ ۔ حدیثوں میں جیسا برتاؤ جنابِ رسولِ مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دیہاتیوں کے ساتھ آیا ہے۔ اس کا نمونہ حضرت قَدَّسَ اللہ سِرَّہٗ میں دیکھا کرتے تھے۔

تذکرہ ۱۷ ۔ قِلّتِ کلام اور کثرتِ ذکر کے مفہوم کا مصداق اتّباعِ سُنّت کے حدود کی ساتھ کسی نے حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے برابر کہیں کم دیکھا ہوگا۔

تذکرہ ۱۸ ۔ خوش مزاجی وقار کے ساتھ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ میں عجیب لطافت کے ساتھ پائی جاتی تھی۔

تذکرہ ۱۹ ۔ دِل جوئی اور تسلّی جس بلیغ اور سلیس طرز پر حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ میں دیکھی بہت کم اُس کی نظیر پائی جاسکتی ہے۔ ایک بار ایک شخص نے اپنا خواب عرض کیا تھا کہ گویا آپ کی وفات ہوگئی ہے اور اِس خواب نے اُس کو بہت پریشان کر رکھا تھا۔ آپ نے نہایت بے ساختگی سے ارشاد فرمایا کہ بھائی تمہارے سامنے زندہ تو بیٹھا ہوں اور آخر کبھی تو مروں ہی گا مگر یہ کیا ضرور ہے کہ خواب کے ساتھ ساتھ تعبیر بھی واقع ہوجاوے۔

تذکرہ ۲۰ ۔ قدرتی طور پر اور میرا گمان یہ ہے کہ کچھ کثرتِ ذکر سے مزاج میں لطافت اور ذکاءِ حس اس درجہ تھی کہ ادنیٰ امرِ مُوذِی سے مُتَأَذِّی ہوتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ضبط اس کمال کا تھا کہ جہاں اظہار سے کسی کی تَاَذِّی کا احتمال ہوتا تحمّل فرماتے تھے۔

تذکرہ ۲۱ - اپنے خدام اور مُنتَسِبِیْن میں اتّفاق کو بہت محبوب رکھتے اور کبھی کسی کی شکر رنجی کی اطّلاع ہوتی تو تَوافق میں سعی فرماتے۔

تذکرہ ۲۲ - اپنے مخلصین کے ساتھ حُسنِ ظن نہایت درجہ رکھتے۔

تذکرہ ۲۳ - استقلال اس درجہ تھا کہ بڑے بڑے حوادث سے ازجا رفتہ نہ ہوتے۔

تذکرہ ۲۴ - ہیبت خداداد اس درجہ تھی کہ باوجود آپ کی غایت خوش اخلاقی و نرم مزاجی کے بڑے بڑے ہمّت وجُرأت والوں کا حوصلہ نہ ہوتا تھا کہ آپ کے سامنے زیادہ کلام کرسکیں۔

تذکرہ ۲۵ - آپ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وَساوِس کی کثرت ہو جوں ہی آپ کی صحبت میں بیٹھے اور قلب میں ایک خاص قسم کا سکینہ اور جمعیت حاصل ہوئی جس سے سب کدورات رفع ہوگئیں اور قریب قریب آپکے کل مریدوں میں عقائد کی دُرستی دین کی پُختگی خصوص حُبّ فِی اللّٰہِ و بُغضٌ فِی اللّٰہ بدرجہ کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ یہ سب برکت آپ کی صحبت کی ہے اور اِن کمالات کی شہادت میں بے شمار واقعات موجود و مشہود ہیں۔

تذکرہ ۲۶ - یہ بعض واقعات و کمالات حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے متعلق عالمِ یقظہ کے ہیں اور عالمِ رُؤیا میں بھی بعض امورِ مُبَشِّرہ معلوم ہوئے گو اس احقر کاذِبُ الْاَقْوَال و کَاذِبُ الْاَحْوَال کے اکثر خواب بھی میرے قال و حال ہی کے مثل ہیں اور وہ کسی طرح استناد و اعتماد کے قابل نہیں مگر محض دوستوں کے جی خوش کرنے کے لیے حضرتؒ کے متعلق اپنے دو خواب ذکر کرتا ہوں ایک حضرتؒ کی حیات میں دیکھا تھا اور ایک بعد وفات۔

خوابِ اوّل یہ ہے کہ کوئی مجھ سے کہتا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب قطب ہیں یا یوں کہا قُطْبُ الْاِرْشَاد ہیں۔ دوسرا جو بعد وفات دیکھا یہ ہے کہ مَیں نے حضرت کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہا تو کسی نے یوں کہا کہ نہیں قُدِّسَ سِرُّہٗ یا قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ کہو۔ خواب اوّل تو محتاج تعبیر نہیں اس لیے صرف دوسرے خواب کے معنی حسب اپنے فہم کے لکھتا ہوں کہ اس خواب کا یہ مطلب نہیں کہ رحمۃ اللہ علیہ کہنا ممنوع ہے یا یہ کہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مفہوم میں قُدِّسَ سِرُّہٗ سے گھٹا ہوا ہے بلکہ اصل یہ ہے کہ بعض اوقات الفاظ و عبارات مُتَّحِدَۃُ الْمَعْنٰی میں حسبِ عرف کچھ تمائز اور تغائر بھی ہوا کرتا ہے، چنانچہ اسی بناء پر صلّی اللہ علیہ وسلّم بجز انبیاء کے کسی کے لیے اطلاق نہیں کیا جاتا۔ رضی اللہ عنہ اِس وقت

بجز سلف کے کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا پس اسی طرح اس وقت عرفاً رحمۃ اللہ علیہ عموماً صلحاً کے لیے بولا جاتا ہے اور قُدِّسَ سِرُّہٗ خاص اکابر اولیاء کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پس مقصود اس سے تنبیہ ہے کہ حضرت اس درجہ کے اکابرین سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

تذکرہ ۲۷۔ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی بعض تحریرات عام اور خاص مضامین کی بھی میرے پاس تھیں جو میں نے مکرمی مولانا محمد یحییٰ صاحب کو دے دی تھیں جن میں بعض خاص دست مبارک کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض بعد معذوریِ بصر کے دیگر خواص معتمدین سے لکھوائی ہوئی ہیں چونکہ مولوی صاحب بشرطِ مصلحت اُن کی اشاعت فرما سکتے ہیں لہٰذا میں نے ان اوراق میں اُس کو شامل کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

تذکرہ ۲۸۔ اخیر میں یہ بات بھی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتی ہے کہ بعض حضرات کو قلّتِ فہم یا غلبۂ حسد کی وجہ سے حضرت پر کچھ اعتراضات بھی ہیں مگر اُن سب کے مَبَادِیٔ اور مَنَاشِیٔ اعلیٰ درجہ کے کمالات ہیں جو حسبِ قول سعدیؒ ؎

عیب نماید ہنرش در نظر

بعض کو بشکلِ اعتراض نظر آتے ہیں۔ اُن سب کا جواب یہ ہے۔

؎ وَلَا عَيْبَ فِيهِمْ غَيْرَ أَنَّ سُيُوفَهُمْ بِهِنَّ فُلُولٌ مِنْ قِرَاعِ الْكَتَائِبِ

تذکرہ ۲۹۔ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی وفات کا تاریخی مادہ احقر کے خیال میں یہ آیا تھا۔

مَولَانَا عَاشَ حَمِيدًا۔ مَاتَ شَهِيدًا

جس سے ۱۳۲۳ھ نکلتا ہے۔

تذکرہ ۳۰۔ چونکہ حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے خواص اور اَخَصُّ الْخَواص حضرات سوانحِ مبارکہ لکھنے پر متوجہ ہیں جو علم میں اطّلاع میں فہم میں تحقیق میں درجۂ علیاء رکھتے ہیں اور جن کے ساتھ خود اس ناکارہ کو نسبتِ خادمیت و نیازمندی ہے اس لیے اس قدر لکھنا بھی اگر بعض مُخْلِصْ اَحْبَاب کی حکم برداری اور خود بھی شمولِ برکت کی اُمّید نہ ہوتی تو غیر ضروری اور خلاف ادب تھا۔ یکم ذیحجہ ۱۳۲۴ھ

تمّت

؎ مراد اس سے مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ہیں۔ مولانا موصوف سوانح کے دو حصّے شائع کر چکے ہیں جس میں مفصل حالات موجود ہیں۔

آج چراغِ دین بُجھ گیا

ف ۲۳ ۱۳

قطعہ تاریخ رحلت راس المحدثین سلطان العارفین حضرت جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نَوَّرَ اللّٰہُ مرقدہٗ

حامیِ دینِ احمدِ مرسل واقفِ رمزِ قادرِ مطلق
ہادیِ اہلِ شرع و اہلِ ورع رہبرِ دین و ملّتِ برحق

عالمِ علمِ ظاہر و باطن جن سے لیتی عقلِ کُل بھی سبق
اہلِ ہوش آپ کی ہدایت سے کرتے تھے امتیازِ باطل و حق

حل کیے مسئلے وہ حضرت نے عُلما جن کو جانتے تھے ادق
کشورِ زہد و ملکِ عرفان کا آپ کی ذات سے تھا نظم و نسق

آپ کے فیض اور افادت سے ہوئے مطلوب تھے جو طالبِ حق
کبھی ساکت مراقبہ میں مرید کبھی مستانہ نعرۂ ہو حق

حضرت مولوی رشید احمد حق تھا اُنکی طرف وہ جانبِ حق
گئے دُنیا سے سوئے دارِ بقا اُن کی رحلت کا ہے جہاں کو قلق

خاک سر پر اُڑا رہی ہے صبا رنگ چہرہ کا ہے گلوں کے فق
آنکھیں ہیں قدسیوں کی بھی خونبار کہہ رہی ہے یہ آسمان کی شفق

مثلِ برگِ گلِ خزاں دیدہ ہیں پریشاں کتابِ دل کے ورق
صیغۂ آہ و صیغۂ فریاد مصدرِ غم سے دونوں ہیں مشتق

کیا کرے کوئی شرح اس غم کی سینۂ کلکِ دو زباں بھی ہے شق
سالِ رحلت میں فکرِ کُشتہ کا تھا بہت بے قرار و مستغرق

بول اُٹھا دل ز روئے حزن و الم
ہوتے مرشد رشید واصلِ حق

۲۳ ھ ۱۲

راقم کُشتہ دیوبندی فتح گڑھ

مولانا محمد عیسیٰ منصوری ، لندن ،

جدید نظریاتی چیلنج اور علماء کرام

موجودہ دَور کا سب سے بڑا مسئلہ ان افکار و نظریات کا ہے جو اس زمانہ میں مذہب کی جگہ لے چکے ہیں۔ اسلام ایک واضح فکر و عقیدہ کا نام ہے جو اپنی سادگی حقانیت فطرت اور عقل سلیم کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے اپنے اندر زبردست کشش و قوت رکھتا ہے۔ دُشمنانِ اسلام ہمیشہ اسلام کی دعوت و فکر کی طاقت سے خوفزدہ رہے یورپ صلیبی جنگوں کے بعد یہ حقیقت سمجھ چکا تھا کہ اسلام کو نہ نظریہ و فکر کے میدان میں شکست دی جاسکتی ہے اور نہ عسکری میدان میں اس صدیوں کے غور و فکر مطالعہ و تحقیق کے بعد مسلمانوں کو رام کرنے کے لیے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس سے مسلمان اپنی پوری تاریخ میں ناآشنا تھے اسلام کے شاطر دشمنوں نے خلاف اسلام افکار و نظریات کو خوشنما بنا کر جدید انداز میں اس طرح مسلمانوں کے دل و دماغ میں اُتار دیا کہ جن کے قبول کرنے کے بعد خود بخود اسلام کی صداقت و حقانیت میں شکوک و شبہات پیدا ہوکر انسان اسلام کی بُنیادی صداقتوں اور اساسیات سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی بھی پہلو سے اسلام کا کُھلم کُھلا حریف بننے کے بجائے مذہب کا ایسا تصوّر پیش کر دیا جائے اور اس پر چاروں طرف سے ایسے افکار و نظریات کی یلغار کر دی جائے جو اسلام کے بُنیادی عقائد و نظریات کو متزلزل کر دے اور مُسلمان کو اس بات کا شُبہہ تک نہ ہو کہ وہ اسلام کی مخالف سمت میں جارہا ہے، کیونکہ دُشمن اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ مسلمان اپنے مذہب کے بارے میں انتہائی ذکی الحس واقع ہُوا ہے اور اسلام کی چھوٹی سے چھوٹی بات کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرنا اس کے لیے معمولی چیز ہے اس لیے گزشتہ ڈیڑھ دو صدی سے اس کا حملہ ایک ایسی سمت سے ہو رہا ہے جس سے پوری تاریخ میں مسلمان ناواقف رہے ہیں انہیں اس بات کا احساس تک نہیں ہو پاتا کہ وہ آہستہ آہستہ اسلام سے بیگانہ ہو کر ایسے افکار و نظریات کو اپنا چکے ہیں جس کے نتیجہ میں انسان اسلام کے بُنیادی عقائد و فکر میں سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ یہ خاموش فکری حملہ گزشتہ دو صدیوں کے دوران عالم اسلام پر یورپ کی عسکری و سیاسی ساخت کے پس پشت تعلیم، جدید افکار کے نام پر اسلام سے تصادم لیے بغیر اس خاموشی سے داخل ہو گیا کہ مسلم عُلماء و

مفکرین کو عرصہ تک اس کا احساس تک ـــــــــ نہیں ہو سکا کہ اس سے کتنی تباہی آئی ہے۔ اب بھی مغرب کی یلغار برابر جاری ہے۔ اس کی تکنیک اور طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ براہِ راست یا بالواسطہ اسلام کے مقابلہ پر نہیں آتا اور نہ صراحتہً اسلام کی تردید کرتا ہے بلکہ بظاہر اسلام سے بالکل لاتعلق و اجنبی نظر آتا ہے اور اسلام سے اس طرح قطع نظر کرتا ہے گویا وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ سب کچھ اسلام کے عین ضد اور متقابل ہے۔ وہ علم و تحقیق، عقلی استدلالات اور جدید نظریات کے نام پر انسان اور کائنات کی ایسی تشریح و توضیح کرتا ہے جس سے خدا، رسالت و آخرت اور سرے سے مذہب کی کوئی گنجائش و ضرورت نہیں رہتی کسی مسلمان کو ذرہ برابر شک نہیں ہوتا کہ ان افکار و نظریات کا قائل ہونا اور تسلیم کرنا اسلام کے انکار کو مستلزم ہے۔ عالمِ اسلام یورپ کے سائنسی ٹیکنالوجی ترقی اور دیگر عصری علوم کے میدان میں اس کی متواتر کامیابیوں اور سبقت کی مرعوبیت کے سبب علم و عقل کی اور شریعت کی کسوٹی پر کسے بغیر ان اوہام و خرافات کو علم و عقل، شعور و آگہی اور ترقی کے نام پر قبول کر چکے ہیں جب مسلمان ان افکار و نظریات کو اختیار کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ علم و آگہی ترقی یافتہ نظریات اور جدید فلسفوں کو اختیار کر رہا ہے۔ اس طرح یہ خلاف اسلام باطل افکار اس طرح قبول کر لیے جاتے ہیں کہ ان کے دل میں اس بات کی کھٹک تک نہیں ہوتی کہ ان کے قبول کرنے سے اسلام کی نفی ہو رہی ہے غرض یہ بات حرف بحرف صحیح ہے کہ اس پیمانے پر اس نوعیت کا فتنہ جسے بجا طور پر ایک جدید اور ارتداد کہا جا سکتا ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی رونما نہیں ہوا۔

اس ماڈرن ارتداد کی تکنیک اور طریقہ واردات سے عام مسلمان تو کجا ہمارے (چند) مذہبی رہنما اور علماء کرام تک لتنے بے خبر اور ناواقف ہیں انہیں اس کی اتنی بھی فکر نہیں ہوتی جتنی گزشتہ زمانہ میں چند مسلمانوں کی عیسائی یا ہندو ہو جانے سے ہوتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے وہ اس طوفان کی زہرناکی، منفی اثرات، گہرائی و گیرائی کا کماحقہ شعور و احساس نہ کر سکے علم و جدید فکر کی اس نظریاتی یلغار کو بجا طور پر جدید ارتداد کہا جا سکتا ہے، مذاہب اور ارتداد کی تاریخ کا بہ نظرِ غائر مطالعہ بتاتا ہے کہ کسی معاشرہ میں ارتداد دفعتہً نہیں آتا بلکہ اس کے اثرات تدریجاً رونما ہوتے ہیں پہلے باطل نظریات و افکار سے دل و دماغ متاثر ہوتا ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات سے اعتماد متزلزل ہوتا ہے ایمانیات میں شکوک و شبہات در آتے ہیں پھر اس کے اثرات عمل پر پڑتے ہیں اجتماعی معاملات (اقتصادیات، سیاست، نظم و نسق اور قانون) میں اسلام ناقابلِ عمل نظر آتا ہے۔ پھر عبادات نماز روزہ وغیرہ میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا ہے اس کے آخر

میں زبان پر بھی آتا ہے یعنی لسانی سے پہلے قلبی وعملی ارتداد آتا ہے۔ اب مغرب کے جدید تکنیک وطریقہ واردات نے سہولت بھی مہیّا کر دی ہے کہ زبان پر لانے کی ضرورت ہی نہیں اس کے نزدیک مسلم معاشروں میں داخل رہ کر ہی اس کی بہترین خدمات انجام دی جاسکتی ہے۔ پہلے زمانہ میں جب کوئی مسلمان کسی باطل مذہب کے اثرات قبول کرتا تھا تو ضروری تھا کہ وہ کسی گرجا یا مندر میں جاکر شدھی یا بپتسمہ کی رسمی کارروائی سے گزرے گلے میں صلیب ڈالے یا ماتھے پر قشقہ لگائے اس کے بعد وہ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو جاتا اور اسلام سے اس کی دُشمنی آشکارا ہو جاتی اور دوسرے مُسلمان اس کی طرف سے ہوشیار اور چوکنّا ہو جاتے لیکن اسلام پر یہ نیا حملہ کسی مذہب کے نام پر نہیں بلکہ علم عقل ، شعور و آگہی، فلسفہ و نظریات کے نام پر ہُوا ہے اور اس نے اپنے پرستاروں کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اسلام کے بُنیادی عقائد، افکار و نظریات سے الگ ہوکر بھی مسلمانوں کے معاشرہ میں مسلمان بن کر رہیں ان ہی میں شادی بیاہ کریں ۔ دوستی رشتہ داری میل ملاپ اور کھانے پینے کے تعلقات قائم رکھیں کبھی کبھی رسمی طور پر ان کی عبادات (جمعہ عیدین) میں بھی شریک ہوں۔ ان لوگوں کو مسلم معاشرہ میں ان کے تموّل اور تعلیم و سیاست میں امتیاز کی وجہ سے خصوصی عزّت و توقیر کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اور سوسائٹی میں امتیازی درجہ دیا جاتا ہے ، وہ بڑی شان و شوکت سے مسلم گھرانوں میں شادی رچاتے ہیں۔ مرنے کے بعد بڑے بڑے مجمع ان کا جنازہ پڑھتے ہیں مُسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہوتے ہیں یہ اسلام کے ماڈرن مرتد فقط اپنی ذات تک ہی ایسی راہ اختیار نہیں کرتے جو اسلام کے بالکل برعکس سمت میں جاتی ہے بلکہ آگے بڑھ کر یہ حضرات تعلیم سیاست میں ممتاز ہونے کی وجہ سے سیاست وحکومت، کونسلوں اور اسمبلیوں وزارتوں اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوکر اور اُونچی اُونچی کرسیوں پر براجمان ہوکر مسلمانوں کے اعلانیہ نمائندے کہلاتے ہیں بلکہ ان کے حساس ترین اور کلیدی مسائل کو اپنے نظریات وصوابدید کے مطابق طے کرتے ہیں۔ دُشمنانِ اسلام (یہود و نصاریٰ ہنود) سے سیاست وحکمرانی، ثقافت وکلچر، اقتصادیات و تجارت، تعلیم وآرٹ کے حوالے سے قریبی تعلّق رکھتے ہیں۔ بیرونی اسلام دُشمن طاقتیں انہیں اپنا نمائندہ بناکر جوش وخروش سے ان کا استقبال کرتی ہیں کیونکہ فی الحقیقت یہ لوگ اپنی بڑی طاقتوں کا کام کر رہے ہوتے ہیں۔ مغربی میڈیا انہیں مسیحا بنا کر پیش کرتا ہے اور بڑی طاقتیں ان کے واسطے سے ترقّی وخوشحالی کے نام پر مُسلم ملکوں اور معاشروں میں اپنی پالیسیاں، نظریات، ثقافت وکلچر پُوری آزادی وسہولت سے نافذ کرتی ہیں اور ان لوگوں کے واسطے سے مسلم

ملکوں کی اقتصادیات، تجارت تعلیمی و تمدّنی مراکز معاشرت غرض ہر ہر میدان میں اپنا اثر و نفوذ بڑھاتی جاتی ہیں۔ ان بیرونی طاقتوں کے لیے یہ راستہ براہِ راست مسلم قوموں و ملکوں کو غلام بنا کر ان پر کنٹرول کرنے کی ہزاروں دقتوں اور پریشانیوں کی نسبت آسان و کم خرچ اور بے خطر نظر آتا ہے۔ جب کبھی یہ اسلام دُشمن طاقتیں یہ دیکھتی ہیں کہ ان لوگوں میں کوئی اپنے عوام پر گرفت کھو چکا ہے اور اس کے واسطے سے اپنی تجارتی و معاشی، تہذیبی و تمدنی، فکری و نظریاتی پالیسیاں جاری رکھنی دُشوار ہو گئی ہیں۔ عام لوگ ان سے بیزار ہو کر اسلام کی طرف دیکھنے لگے ہیں تو بڑی چابک دستی و ہوشیاری سے وہ اس مہرہ کو ہٹا کر دوسرا مہرہ لے آتی ہیں جو ان کی حسبِ ہدایت وقتاً فوقتاً سلام بھی پڑھتا ہے اور ضرورت پڑے تو عمرے کرتا ہے ہاتھ میں تسبیح پکڑ لیتا ہے۔ پھر دوبارہ عالمی میڈیا (جس پر اسلام دُشمنی طاقتوں کی مکمّل اجارہ داری ہے) اس کا امیج بنانے میں جت جاتا ہے۔ اس طرح مُسلم قوم اور مُلک اس دوسرے مہرے کے ساتھ چلنے لگتے ہیں۔ استعماری طاقتوں سے سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد ہر مسلم ملک کی یہی مسلسل کہانی ہے کہ ان کے حکمرانوں اور سر بر آوردہ طبقہ کے دل و دماغ پر قرآن اور محمدؐ کے بجائے مغربی افکار و نظریات کی حکمرانی رہی۔

مسلم دُنیا کی بھاری اکثریت جو اسلام اور قرآن پر غیر متزلزل یقین و ایمان رکھتی ہے وہ اپنی سادگی و سادہ لوحی سے یہ سمجھتی ہیں کہ پہلے چند سال ملک کو معاشی استحکام و خوشحالی حاصل ہو جائے تو ہمارے حکمران خود بخود قرآن و سُنّت کی شاہراہ پر لے چلیں گے اس خوش فہمی میں قوم ان کے قدم بقدم ساتھ چلتی رہتی ہے۔ مسلم ملکوں میں اگرچہ مغربی تہذیب و افکار کے نمائندوں کی تعداد ۲-۴ فیصد سے زائد نہیں مگر ان افراد کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ حال ہے کہ وہ سیاست و حکومت، تجارت و معیشت، تعلیم و ذرائع ابلاغ پر پوری طرح وقابض ہونے کی وجہ سے باسانی اسلام کا درد و فکر رکھنے والی جماعتوں، تنظیموں اور علماء کو کچل دیتے ہیں اور جدید ذرائع ابلاغ کے پروپیگنڈے کے زور پر اُنھیں علم و سائنس اور ترقی و خوشحالی کا دُشمن ظاہر کر کے پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔ دینی جماعتیں اور علماء ذرائع ابلاغ میں اپنا نقطہ نظر تک نہیں پیش کر پاتیں اور اس گھناؤنے طریقے پر ان کی کردار کشی کی جاتی ہے کہ وہ دیوار سے لگ جاتی ہیں اور اس سارے عمل میں انہیں بیرونی اسلام دُشمن طاقتوں اور عالمی میڈیا کی بھرپور آشیرباد حاصل رہتی ہے۔ پھر اطمینان سے یہ لوگ اپنے بیرونی سرپرستوں اور آقاؤں کے مفادات پورے کرنے میں لگ جاتے ہیں۔

یہ بات پُورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ تاریخ میں اس سے پہلے کبھی اسلام کو اس صورتحال

اور اس نوعیت کے فکری و نظریاتی حملہ سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یہ فکری یلغار جتنی عام اور ہمہ گیر تھی بظاہر اتنی ہی سادہ اور مذہب سے بے تعلق دکھائی دیتی تھی ——————— یہ حقیقت ہے کہ وہ اب تک اس نئے حملے کی نوعیت و گہرائی کو سمجھ نہیں پائے کیونکہ اسلام کے فکری نظام اور بنیادی عقائد پر تیشہ چلانے والے یہ کفریہ افکار و نظریات کسی مذہب کے نام پر نہیں بلکہ عقل و دانش اور جدید تھیوری و فلسفوں کے نام سے داخل ہوتے تھے۔ ان کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ کروڑہا مسلمان اس کی زد میں بہہ کر اسلام کی اساسیات اور بنیادی عقائد سے بیگانہ ہو گئے اور خبر تک نہیں ہوئی کہ ماڈرن نظریات کے نام پر کتنی زبردست تباہی ملّتِ اسلامیہ میں آئی ہے۔

اس مسئلہ کی طرف نصف صدی پیشتر غالباً سب سے پہلے جدید طبقہ میں ڈاکٹر رفیع الدین صاحب مرحوم نے توجہ دلائی تھی اور طبقہ علماء میں مولانا مناظر احسن گیلانی رحؒ نے اس مسئلہ پر لکھا ان کے بعد مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی نے دمشق سے نکلنے والے اخوان المسلمون کے آرگن رسالہ المسلمون میں ردۃ جدیدۃ کے نام سے دو قسطوں میں لکھا پھر ایک مستقل رسالہ ردۃ ولا ابا بکر لہا" (ایک فتنہ ارتداد اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی ابوبکر نہیں) کے نام سے لکھا جس کا اُردو ترجمہ اس وقت الفرقان میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی نیا طوفان اور اس کا مقابلہ کے نام سے شائع کیا۔ اس کے بعد پھر مسلسل خاموشی ہے حالانکہ مرض کی صحیح نشاندہی کے بعد اس عرصہ میں کئی علمی و تحقیقی ادارے جدید تعلیم یافتہ ذہنوں کو سامنے رکھ کر عصری اسلوب میں طاقتور لٹریچر اور جدید علم کلام کا پورا کتب خانہ وجود میں آجانا چاہیے تھا۔

ہمارے نزدیک صورت حال کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ علمائے کرام اس فاصلہ کو ختم کریں جو گزشتہ کئی صدیوں سے ان کے اور نئی نسل کے درمیان بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں ان کے اور عصری علوم و تقاضوں کے درمیان پیدا ہو گیا ہے اور عصری علوم و افکار سے بے خبری کو ختم کریں موجودہ فکری و نظریاتی چیلنجوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضروری ہے کہ یورپین زبانوں، سائنٹفک طرز تحریر، جدید ترین ذرائع ابلاغ عصری تکنیک و اسلحہ سے پوری طرح واقف ہوں اور قرون وسطی کے فلسفہ و منطق اور یونانی و ایرانی افکار کے ماحول سے باہر نکلیں جو اس وقت ایک وقتی ضرورت کے تحت اختیار کیے گئے تھے تو انہیں قرآن و سُنّت سے عصری گمراہیوں اور فکری چیلنجوں کا علمی و فکری میدان میں جواب دینے کی پوری رہنمائی ملے گی اس لیے کہ قرآن و سُنّت ہر ہر دَور کی کجی و بے راہ روی اور فکری و نظریاتی ضلالت و گمراہی سے نکال کر شاہراہ علم و حقیقت فوز و کامرانی پر گامزن کرنے کے لیے بالکل کافی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دل و دماغ کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہم

(قسط : ۲)

حیلے اور بہانے

⑨ آخر عمر میں توبہ کرنے کا ایک حیلہ

بعض لوگ گناہ کرتے چلے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میاں اخیر عمر میں توبہ کرلیں گے۔

یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ گناہوں پہ جرأت کرنا ہی ایمانی تقاضوں کے خلاف ہے پھر گناہوں پر اصرار کرنا اور برابر گناہ کرتے رہنا بہت بڑی سرکشی اور خداوندِ قدوس کی بغاوت ہے، وفادار بندہ کا تو یہ مقام ہے کہ کوئی چھوٹا سا گناہ بھی ہوجائے تو مارے ندامت کے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ ہائے مجھ ذلیل وحقیر سے خالق کائنات رب العزّت جل مجدہ کی نافرمانی ہوگئی، گناہوں پر اصرار کرنا مؤمن کی شان سے بالکل جوڑ نہیں کھاتا جب کوئی گناہ ہوجائے فوراً توبہ کرنا واجب ہے۔

یہ شیطان کا بہت بڑا دھوکا ہے کہ بعد میں توبہ کرلیں گے کیا معلوم ہے کہ توبہ کا موقعہ ملے یا نہ ملے اچانک موتیں ہوتی رہتی ہیں اور بکثرت جوانی میں بھی لوگ مرتے ہیں اگر بڑھاپا نہ پایا (جس کے انتظار میں توبہ کو موقوف رکھتے ہیں اور گناہ کرتے چلے جاتے ہیں) اور جوانی ہی میں موت ہوگئی یا بڑھاپا پالیا، لیکن اچانک موت آگئی اور توبہ نہ کرسکے تو کیا ہوگا؟ اس پر بھی توجہ کرنا چاہیے۔

شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بغیر توبہ کے مرے

لیکن سب سے پرانا اور سب سے بڑا دشمن شیطان رجیم اس بات کو سوچنے ہی نہیں دیتا اس کی

خوشی تو اسی میں ہے کہ انسان گناہ گاری کی زندگی گزارتا رہے اور بغیر توبہ کے مرجائے، تاکہ موت کے بعد عذاب میں گرفتار ہو دُشمن کے بہلاوے اور پھسلاوے کو خیر خواہی سمجھ کر خود اپنا بُرا کرنا بڑی بدنصیبی ہے اور یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ جب توبہ کریں گے وہ اس وقت قبول ہو گی۔ جبکہ توبہ کی شرطیں پُوری کر لی ہوں، دورِ حاضر کے لوگوں کی اوّل تو توبہ ہی سچی اور پکّی نہیں ہوتی اور اس کی شرطیں پُوری نہیں کرتے، پھر اگر سچی توبہ نصیب ہو بھی جائے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ توبہ کے بھروسہ خُوب زیادہ سے زیادہ گناہ کرتے رہیں

سچّی اور پکّی توبہ پر خداوند قدوس کی طرف سے گناہوں کی بخشش کا وعدہ ہے لیکن اس وعدہ پر گناہوں پر جراَت کرنا کسی طرح دُرست نہیں ہے۔

حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عبادت میں انہماک

اللہ جل شانہ، نے اپنے حبیب پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کا سب کچھ معاف فرما دیا۔ پھر بھی آپ راتوں رات نماز میں کھڑے رہتے تھے جس کی وجہ آپؐ کے مُبارک قدموں پر ورم آگیا تھا جب آپ سے عرض کیا گیا کہ جب اللہ نے آپ کا سَب کچھ معاف فرما دیا تو آپ عبادت میں اتنی مشقّت کیوں اُٹھاتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا میں خُدا تعالیٰ کا شُکر گزار بندہ نہ بنوں؟[1]

بہت سے صحابہؓ کو حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے دُنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی اور غزوۂ بدر کے شریک ہونے والے صحابہؓ کے لیے خُدائے پاک کی طرف سے اعلان فرما دیا گیا تھا کہ تم جو چاہو کرو، تمہاری بخشش کر دی گئی ہے ان حضرت نے اس کی وجہ سے کسی گناہ پر جُراَت نہ کی بلکہ اور زیادہ نیک کاموں میں لگے اور گناہوں سے دُور رہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جن کا سب کچھ معاف کر دیا گیا اور جن کو جنّت کے داخلہ کا دنیا میں اعلان کرکے اطمینان کرا دیا گیا ان کو تو نیکیوں سے فرصت ہی نہ ملی اور گناہوں کی طرف دھیان ہی نہ گیا اور جنھوں نے ابھی تک توبہ کی بھی نہیں وہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرتے جارہے ہیں جبکہ موت سے پہلے توبہ کا موقعہ ملنے کا یقین بھی نہیں ہے۔

ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص۱۰۸

(۱۰) بے عملی کے لیے علماء کے اختلاف کا بہانہ

بعض لوگ اپنی بے عملی کے لیے علماء کے اختلاف کو بہانہ بناتے اور کہتے ہیں کہ ارے صاحب کس بات پر عمل کریں، ایک مولوی کچھ کہتا ہے دوسرا مولوی کچھ بتاتا ہے۔

ایسے لوگوں کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ ان چیزوں پر تو عمل کرتے جن میں کسی کا اختلاف نہیں! آخر پانچ نمازوں اور رمضان کے روزوں کے فرض ہونے میں اور صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ کی فرضیت اور صاحبِ استطاعت پر حج کی فرضیت میں کس کا اختلاف ہے؟ مولویوں کے اختلاف کو بہانہ بنانے والے نماز، روزہ تک کی پابندی نہیں کرتے اور زکوٰۃ فرض ہوتے ہوئے زکوٰۃ نہیں دیتے، ہزاروں روپے دبائے پڑے ہیں حج کو نہیں جاتے۔ بڑے بڑے گناہوں میں مُبتلا ہیں جن کے گناہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں اگر مولویوں کا اختلاف آپ کے لیے باعث بے عملی ہے تو جن اعمال کے فرض اور واجب ہونے میں سب کا اتّفاق ہے ان پر عمل کیوں نہیں کرتے اور جن چیزوں کے گناہ ہونے میں سب کا اتّفاق ہے اُن کو کیوں نہیں چھوڑتے

مسائل ضروریہ میں علماء کا اختلاف نہیں

پھر مولویوں کا جن چیزوں میں اختلاف ہے وہ ان مسائل ضروریہ میں نہیں ہے جو روزانہ پیش آتے ہیں۔ جو لوگ حنفی مذہب کے پابند ہیں وہ اگر حنفی مسلک کے کسی عالم و مفتی سے مسئلہ پوچھیں گے اور وہ واقعی عالم ہے اور فقہ حنفی پر عبور رکھتا ہے تو وہ فقہ حنفی ہی کے مطابق بتائے گا اور اس کے علاوہ دوسرا کوئی عالم جو فقہ حنفی کا ماہر ہو وہ بھی وہی بتائے گا جو پہلے شخص نے بتایا ہے۔ لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان لوگوں سے مسائل پوچھ لیتے ہیں جنہیں مسائل کا علم نہیں اور انھوں نے جو مسئلہ غیر ذمّہ دارانہ طور پر غلط بتایا اُسے علماء کا اختلاف بنا کر اچھالتے ہیں اور خود کو عمل سے بَری کر لیتے ہیں۔

ڈاکٹروں یا وکیلوں میں اختلاف ہو تو وہ عمل سے نہیں روکتا

پھر یہ اختلاف کا بہانہ دین ہی میں تلاش کرتے ہیں، دنیاوی کاموں میں اختلاف عمل سے نہیں روکتا کتنے مریض ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں ان کے مرض کی تشخیص میں ڈاکٹروں کا اختلاف ہوتا ہے اور کسی مرض کے

بارے میں حکیم کچھ بتلاتے ہیں اور ڈاکٹر اس کے بارے میں دوسری رائے دیتے ہیں، لیکن اس اختلاف کی وجہ سے کوئی علاج کرنا نہیں چھوڑتا۔

اگر کوئی مقدمہ لڑنا ہو اور اس کے لیے وکیل کی ضرورت ہو تو چند وکیلوں سے ملتے ہیں ان کی مختلف رائیں سامنے آتی ہیں اس کے باوجود مقدمہ لڑتے ہیں کوئی مدعی اپنا مقدمہ اس وجہ سے واپس نہیں لیتا کہ وکیلوں میں اختلاف ہے۔ بلکہ خُوب وکیلوں کے دروازوں کی خاک چھانتے ہیں اور لوگوں سے مشورے کرتے ہیں کہ کس کو وکیل بناؤں، پھر جب تحقیق و تلاش و مشورہ کے بعد کسی پر دل ٹھک جاتا ہے تو اسی کو اپنا وکیل بنا لیتے ہیں۔

وکیلوں کا یہ حال ہے کہ ہر ایک کا مقدمہ لینے کو تیّار ہیں حق اور ناحق سے انھیں کوئی مطلب نہیں، اُنھیں تو فیس چاہیے۔ ہر سچّے جھوٹے کو مشورہ دینے کو تیّار ہیں پھر بھی اُنہی کو وکیل بنایا جاتا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ وکیل کو فیس دے کر مقدمہ ہار جاتے ہیں۔ پھر بھی اس کو کوئی الزام نہیں دیتے۔ فیس بھی دی مقدمہ بھی ہارے پھر بھی وکیل صاحب معزّز ہی رہے۔ ہر وکیل سینکڑوں مقدمات ہراتا ہے پھر بھی اس کی حیثیّت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ سینکڑوں آدمی ان کے دفتروں میں بھیڑ لگائے رہتے ہیں یہ ہی حال ڈاکٹروں اور حکیموں کا ہے کہ ان میں اختلاف بھی ہوتا ہے اور ان کے علاج سے لوگ مر بھی جاتے ہیں۔ ان کی حکیمی، ڈاکٹری میں کوئی فرق نہیں آتا ہے۔ لوگ برابر ان سے علاج کرواتے ہیں۔

آخر اختلاف کو دینی کاموں کے لیے کیوں بہانہ بنایا جاتا ہے؟ بات اصل یہ ہے کہ دین پر عمل کرنا نہیں چاہتے اور اس کو ضروری نہیں سمجھتے اگر دین کو بھی ضرورت کی چیز سمجھتے تو مسائل معلوم کرنے کے لیے متعدّد عُلماء کے پاس جاتے ان کو پرکھتے اور ایسا شخص تلاش کرتے جس کے علم پر اعتماد ہو جائے، نزلہ عضوِ ضعیف پر ہی گرتا ہے۔ کیونکہ دین موجودہ معاشرہ میں ضعیف ہے اس لیے ہر نقصان اور خسران اور بے عملی دین ہی میں برداشت کر لیتے ہیں اور لفّاظی اور چرب زبانی اور بہانہ بازی کا حربہ بھی دین ہی میں استعمال کرتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اسلام سراسر عمل کا نام ہے جو احکام سب کے لیے عام ہیں ان کا سیکھنا اور ان پر عمل کرنا سب کے لیے لازم ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں کہ جن کا تعلّق خصوصی احوال و اشخاص سے ہے مثلاً تاجر تجارت کے احکام سیکھے اور ان پر عمل کرے اور کاشتکار کھیتی باڑی کے احکام معلوم کرے اور ان کے مطابق عمل پیرا ہو۔

اسی طرح جج اپنی ذات سے متعلق شرعی احکام معلوم کرے۔ پھر جج بنے جو لوگ کہیں ملازم ہیں یا ملازمت کی کوشش میں ہیں وہ لوگ اپنے محکمے کے متعلق پتہ چلائیں کہ شرعًا یہ جائز ہے یا نہیں اور جس کسی محکمہ میں ملازمت کی تلاش ہے اس میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہے اس کو عُلماء سے معلوم کریں، پھر اگر جائز ہو تو ملازمت اختیار کریں

عُلماء پر اعتماد نہیں تو عالم بنیں

اگر کوئی شخص عُلماء کے جواب سے مطمئن نہیں ہوتا اور ان کے جوابات سُن کر اس کے خیال میں عمل کا راستہ کھل کر سامنے نہیں آتا تو لازم ہے کہ خود عالم بنے اور اپنی اولاد کو عالم بنائے تاکہ پُوری بصیرت کے ساتھ متعلقہ احکام کو انجام دے۔ علم کسی خاندان کے لیے مخصوص نہیں ہے، کسی قبیلہ کی یا اس کی میراث نہیں ہے، نہ کسی خاص قوم و وطن اور نسل کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کا دین جو آگے بڑھ کر لے گا وہ دُنیا و آخرت میں اللہ کا محبوب ہو گا۔

اگر موجودہ علماء سے مطمئن نہیں تو خود عالم بنو تاکہ دینِ خداوندی پر پُوری طرح عمل پیرا ہو سکو یہ تو کوئی بات نہ ہُوئی کہ نہ خود عالم بنے، نہ اپنی اولاد کو عالم بنائے اور جہالت کو اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے پسند کرے اور جب دین پر عمل کرنے کی بات سامنے آئے تو علماء کے اختلاف کو بہانہ بنا کر بے عمل رہ جائے۔

خُوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ جُھوٹا عذر اور لچر حیلہ آخرت میں بدعملی کے عذاب سے بچانے والا نہیں، سیدھی بات ہے کہ جب عُلماء میں اختلاف ہے اور ایسا اختلاف ہے کہ اس کی وجہ سے آپ کو عمل کی راہ نہیں ملتی تو خود عالم بنیے اور اپنے علم صحیح کے مطابق دین پر چلیے۔

(۱۱) بھُوکا مرا نہیں جاتا اور حلال ملتا نہیں

بہت سے لوگ حرام روزی سے پرہیز نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ صاحب بھُوکا مرا نہیں جاتا اور حلال ملتا نہیں لہٰذا مجبوری ہے یہ بالکل صریح جُھوٹا بہانہ ہے کیونکہ حلال دُنیا میں موجود ہے اور ان شاء اللہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ شریعت میں اسی چیز کا حُکم دیا جاتا ہے جو موجود ہو، ایسا نہیں ہے کہ جو چیز ممکن نہ ہو اس کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہو، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عمومًا حلال زیادہ نہیں ملتا، تن ڈھکنے اور بھُوک روکنے اور سر چھپانے کے لیے ہمیشہ حلال مل سکتا ہے اور ملتا ہے، جس کسی کو آخرت کی فکر ہے وہ کم کھائے گا اور معمولی لباس پہنے گا

اور معمولی سے چھپّر میں رہے گا اتنے سے اخراجات کے لیے حلال مال مل سکتا ہے لیکن آخرت کی فکر اور اُس کا خوف ہونا لازم ہے۔

بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جو رئیس کبیر ہیں ان کا مال حلال ہے کمانے میں حلال کا خیال رکھتے ہیں اللہ پاک ان کو اسی میں ترقی دیتا ہے، ضروری نہیں کہ مال زیادہ ہو تو حرام ہی ہو اور کم ہو تو حلال ہی ہو، شریعت میں حلال و حرام کے اُصول اور قواعد مقرر ہیں اُن کے مطابق حلال کو حلال اور حرام کو حرام ماننا لازم ہے۔ بہت سے لوگ کم کماتے ہیں مگر اُن کا مال حرام ہوتا ہے بے ایمانی چوری و خیانت، سود، رشوت سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے چاہے تھوڑا سا ہو، خواہ ایک پیسہ ہی ہو اور شریعت کے مطابق حلال طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال حلال ہے چاہے کروڑوں کی مالیت ہو۔

بس کمانے میں اُصولِ شریعت کو دیکھنا لازم ہے۔ یہ فیصلہ کر لینا کہ حلال ملتا ہی نہیں غلط ہے اور یہ جھوٹا بہانہ حرام خوری کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ	جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہو وہ جنّت
السُّحْتِ وَکُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ	میں نہ جائے گا اور جو گوشت حرام سے پلا بڑھا ہو
کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِهٖ[1]	دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے والو! نفس کو حرام سے بچاؤ اور زبردستی اس کو اس پر آمادہ کرو کہ حلال کھائے اور حلال سے ضرورتیں پوری کرو۔

(۱۴) گناہوں کی ذمہ داری عورتوں و بچوں پر ڈالنا

بہت سے لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ شادی غمی یا دیگر مواقع میں شریعت کی پاسداری کرو اور فلاں فلاں گناہ سے باز آؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ عورتیں نہیں مانتی ہیں اور بعض لوگ اپنے گھر میں گناہ اور گناہ کی چیزیں دیکھتے ہیں اور توجہ دلانے پر کہہ دیتے ہیں کہ لڑکے اور بچے نہیں مانتے اور اپنے کو اس طرح گناہ سے بری سمجھ لیتے ہیں اُن کے گھر میں گناہ ہو رہا ہے بدعتوں پر عمل ہے۔ شادی میں ڈھول باجے بج رہے ہیں، بے پردگی ہو رہی ہے اور صاحب خانہ اپنے کو ان سب گناہوں سے بری ہی سمجھے ہوئے ہیں اور

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۲

حیلہ یہ تراش رکھا ہے کہ عورتیں اور بچے نہیں مانتے حالانکہ پورے گھر کو دین پر چلانے کی ذمہ داری گھر کے بڑے پر ہے۔ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَالْاِمَامُ الَّذِيْ عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالْمَرْءَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلٰى مَالِ سَيِّدِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْهُ اَلَا فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔

ترجمہ: خبردار تم میں سے ہر شخص (اپنے ماتحتوں کا) نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیّت (یعنی جو اس کے ماتحت نگرانی میں ہیں) ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ پس امام (یعنی امیر المؤمنین سب سے بڑا صاحب اقتدار) نگران ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا، اور مرد اپنے گھر والوں کا نگران ہے اور اس سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے اُن کے بارے میں سوال کیا جائے گا، اور غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس کے بارے میں اس سے سوال ہوگا (پھر آخر میں فرمایا) تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں ہر ایک سے اس کی رعیّت کے بارے میں سوال ہوگا۔

(مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۳۲۰)

اُردو میں رعیّت ان لوگوں کو کہتے ہیں جو کسی کی عمل داری میں بستے ہوں، لیکن عربی میں رعیّت کا مفہوم بہت عام ہے جس کسی کو کسی کے جان و مال کی حفاظت سپرد کر دی جائے تو اس کا راعی یعنی نگران و نگہبان ہے اور جو کچھ اس کی نگہبانی اور نگرانی میں دے دیا گیا وہ اس کی رعیت ہے پورے ملک کے عوام ہوں یا ایک گھر کے رہنے والے اپنے آل و اولاد، بیوی بچے یہ سب رعیت ہیں اور اُن کی نگرانی لازم ہے اپنی قوّت و طاقت سے ان کو دین پر لگانے اور ان سے فرائض و واجبات ادا کروانے اور ان کو گناہوں سے بچانے اور ان کو دین سکھانے پر خرچ کرنا لازم ہے۔

قسط:۹

مضامینِ علمیہ

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

ابن احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبر القرآن" کے علاوہ اصولِ تفسیر میں "مبادی تدبر قرآن" اور اصولِ حدیث میں "مبادی تدبرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلل ابطال اور احقاق حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

امین احسن اصلاحی صاحب ایک اور مقام پر یُوں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

"مبتدعین کے مقابل میں ائمۂ فن کی روش":

"یہاں ہمیں یہ بات نہایت افسوس کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ ہمارے محدثین نے جس طرح صالحین کی روایاتِ ترغیب و ترہیب کے مقابل میں کمزور موقف اختیار کیا اسی طرح ان مبتدعین کے مقابل میں اتنا منفعلانہ اور ضعیف رویّہ اختیار کیا کہ ان کے فتنہ کو روکنا تو درکنار اگر ہم یہ کہیں تو شاید بے جانہ ہوگا کہ اُن کے رویّہ سے اس فتنہ کو شہ ملی۔

امام مالکؒ نے بے شک ان کے مقابل میں مضبوط موقف اختیار کیا۔ ان کے نزدیک اس طرح کے ضالّین و مضلّین سے روایت لینا بالکل ناجائز ہے وہ تو اس معاملے میں اس

قدر متشدّد ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت بالمعنیٰ تک کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک یہ روایت باللفظ ہی ہوسکتی ہے۔ ان کے دو ٹوک اور محکم موقف کا اندازہ ان کے اس ارشاد سے لگایا جاسکتا ہے جو ہم اُوپر نقل کرچکے ہیں کہ: "میں ان ستونوں ــــ مسجدِ نبوی کے ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے ــــ کے پاس ستر آدمیوں سے ملا ہوں جو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے منسوب کرکے روایت کرتے تھے، لیکن مَیں نے ان میں سے کسی سے روایت نہیں لی، اگرچہ ان میں ایسے لوگ تھے کہ اگر وہ بیت المال کے امین بنائے جاتے تو وہ اس کے اہل ثابت ہوتے، لیکن وہ روایتِ حدیث کے اہل نہ تھے" ان کا اصول اور عمل تو یہی ہے۔ اب اگر ان کے ہاں اس کے خلاف کوئی روایت آجاتی ہے تو اس کو یُوں سمجھ لیجیے کہ جب وبائے عام ہو تو محتاط آدمی بھی اس سے کچھ نہ کچھ زخم اُٹھا ہی لیتا ہے۔

جہاں تک دوسرے ائمہ مثلاً امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابویُوسفؒ وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کا مسلک نہایت ضعیف ہے۔ ان تمام لوگوں نے مختلف تاویلوں سے ان مبتدعین کی روایتوں کو قبول کرلیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جو گمراہی تاویل کے راستے سے پیدا ہوتی ہے جب اس کے حامل کو ہم کافر نہیں کہتے تو اس کی روایت کو بھی رَد نہیں کرنا چاہیے، ان کے نزدیک ایک ماوِّل صریح کُفر کا مرتکب نہیں ہوتا۔ ان کا موقف نہایت بودا ہے، اس لیے کہ کُفر کا اظہار تو بالعموم تاویل ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ صریح کفر کا اظہار تو شاذونادر ہی ہوتا ہے۔ شیعہ خوارج، مرجیہ، قدریہ ایسے جتنے بھی گروہ ہیں تو وہ اپنی تاویل کو دین سمجھتے ہیں اور اسے دین سمجھ کر ہی اپناتے اور اختیار کرتے ہیں۔ آج بھی دیکھیے جتنی گمراہیاں دین میں پیدا کی جارہی ہیں وہ صریح کُفر کے راستے سے نہیں بلکہ تاویل کے راستے سے آرہی ہیں۔ ہمارے نزدیک ان ائمہ کی یہ رعایت معصومانہ ہے، اس لیے کہ اس کے مضمرات کو پُوری طرح سے نہیں پرکھا گیا ہے۔

بعض حضرات داعی اور غیر داعی مبتدع میں فرق کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو اپنی بدعت کا داعی ہو اس کی روایت نہیں لی جائے گی، لیکن جو داعی نہ ہو اس کی روایت لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ یعنی ایک راوی خواہ کٹر سے کٹر خارجی ہو یا کٹر سے کٹر شیعہ ہو تو اس کی

روایت لینے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اپنے مسلک کا کھلم کھلا داعی نہ ہو، لیکن سوچنے کی بات ہے کہ کیا یہ معقول رائے ہے جب ایک چیز اس کا جزوِ ایمان و دین ہے تو لامحالہ جب وہ بات کرے گا تو وہی بات کرے گا جو اس نے اپنے مسلک کے ائمہ سے سُنی ہوگی اور نقل کرے گا تو انہی کی بات نقل کرے گا۔ اس لیے ان لوگوں کی یہ رائے بھی ہمارے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

اسی طریقہ سے ایک گروہ یہ تخصیص کرتا ہے کہ خاص نوعیت کے مبتدعین سے تو بیشک روایت نہیں لی جائے گی، البتہ اُن کے ماسوا جو ہیں ان سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون یہ امتیاز کرتا چلے گا کہ گمراہی کا درجہ کیا ہے؟ کس کے پاس یہ پیمانہ ہے کہ اس سے یہ ناپ کر فیصلہ کرلیا جائے کہ یہ راوی اس درجے کا گمراہ ہے یا نہیں۔ جو بھی کہنا ہے بالکلیہ ہی کہنا چاہیے، چنانچہ یہ حضرات روافض کے ایک مخصوص گروہ کے سوا باقی تمام مبتدعین سے روایت لینا جائز سمجھتے ہیں۔

یہ منفعلانہ ذہنیت آہستہ آہستہ لوگوں پر اس طرح غالب آگئی کہ ائمۂ فن تک نے مبتدعین سے روایت لینے کو مجبوری بنالیا جس کے نتیجے میں ان کے مرتّب کردہ نسخوں میں بکثرت روایات اہلِ بدعت سے آگئیں اور اس وقت ان کی تحقیق نہایت دقت طلب ہوچکی ہے۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ میں علی بن المدینی کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

لو ترکت اھل البصرۃ لحال القدر	اگر میں اہل بصرہ کو مسئلہ قدر کی بناء پر
ولو ترکت اھل الکوفۃ لذلک الرائ	اور اہلِ کوفہ کو تشیع کی بناء پر چھوڑ دوں
یعنی التشیع خربت الکتب[1]	تو حدیث کی کتابیں ویران ہوکر رہ جائیں"۔

(مبادیٔ تدبرِ حدیث، ص: ۱۴۰/۱۳۹)

امین احسن اصلاحی صاحب کا یہ سارا کلام ائمہ مجتہدین کی تغلیط بلکہ کسی قدر توہین سے بھی بھرا ہوا ہے کوئی متبحر فی العلم ہو تو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے کہ وہ دلائل کی قوت کی بناء پر کسی ایک قول کو ترجیح دے لیکن امین احسن اصلاحی جن کے "تبحرِ علمی" کی حقیقت گزشتہ اوراق میں آشکارا ہوچکی ہے۔ اگر واقعی دلائل سے قطع نظر کرکے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ (جو کہ خیر القرون میں

سے ہیں اور سُنّت، وحدیث کے مسلمہ امام ہیں) کی ایسی تغلیط کریں اور مندرجہ ذیل REMARKS دیں تو اُن کی اپنی حرماں نصیبی پر سوائے افسوس کے اور کیا کیا جائے۔ ذرا REMARKS تو ملاحظہ ہوں:

الف "جب وبائے عام ہو تو محتاط آدمی بھی اس سے کچھ نہ کچھ زخم اُٹھا ہی لیتا ہے۔"

ب ۔" ان تمام لوگوں نے مختلف تاویلوں سے ان مبتدعین کی روایت کو قبول کر لیا۔"

ج ۔"اُن کا موقف نہایت بودا ہے۔"

د ۔" ہمارے نزدیک ان ائمہ کی یہ رعایت نہایت معصومانہ ہے اس لیے کہ اس کے مضمرات کو پُوری طرح سے نہیں پرکھا گیا ہے۔"

عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ وغیرہما جیسے حضرات مجتہدین جن کی فقاہت اور جن کا فہمِ قرآن وسُنّت اور جن کی اصولِ دین سے کمالِ معرفت ہر دور میں مسلم رہی ہے وہ ایسے بھولے بھالے اور معصوم ہوں کہ اُنھوں نے اپنے بھولپنے اور معصوم پنے میں ایسے اُصول وضوابط کو اختیار کیا جن کے نتائج ومضمرات کو اُنھوں نے پُوری طرح پرکھا ہی نہیں یا وہ ایسے کمزور کردار کے لوگ تھے کہ وبائے عام سے متأثر ہوکر کچھ زخم کھا بیٹھے اور غلط روش کو تاویلیں کر کے صحیح بنانے کے درپے ہُوئے۔ خیر القرون کا دَور ہو، چوٹی کے مجتہدین ہوں اور گمراہی سے متأثر ہوکر انتہائی بودا موقف اختیار کریں۔ یہ بات عقل ہی کے خلاف ہے اور قائل کی بے عقلی پر دلیل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بدعت کے لفظ کا استعمال عام ہے۔ سُنّت کے خلاف طریقے کو بدعت کہتے ہیں۔ بدعت کسی ایک عمل اور کسی ایک عقیدے میں بھی ہو سکتی ہے اور بہت سے عقائد و اعمال پر محیط فکر پر بھی بدعت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ بدعت کو اختیار کرنے والے کو اہلِ سُنّت کے مقابلہ میں مبتدع کہا جاتا ہے۔

کسی جزوی عقیدے میں اہل سُنّت کے خلاف روش اور طرز اختیار کرنے والے کو بھی مبتدع کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا باقی نظام فکر اہلِ سُنّت کے عین مطابق ہو۔ مثلاً ایک شخص تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو برحق مانتا ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی تمام صحابہ پر فضیلت کا قائل ہے، لیکن ایک جزوی عقیدے میں اہلِ سُنّت کے خلاف روش اختیار کرتے ہُوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے۔ اس کی ایک جزوی عقیدے کے علاوہ اس کے تمام عقائد و

اعمال اہلِ سُنّت کے عین مطابق ہیں اور یہ جزوی عقیدہ ایسا بھی نہیں کہ جو اس کو جھوٹ بولنے پر اُبھارتا ہو یا اس کی وجہ سے کفر لازم آتا ہو۔ ایسے شخص سے اگر دین کی کوئی بات ملتی ہو اور اس بات کا اس کے جزوی عقیدے سے کچھ تعلّق نہ ہو اور خود اس شخص کے لیے بھی وہ بات اتنی ہی اہمیّت کی حامل ہو جتنی کہ اہلِ سنت کے لیے تو آخر اس شخص سے وہ بات اخذ کرنے سے کون سی عقلی و شرعی دلیل مانع ہے جبکہ وہ شخص پرہیزگار ہو، جھوٹ اور دیگر برائیوں سے اجتناب کرتا ہو اور اچھے حافظہ کا مالک ہو۔

اس کے برعکس اگر کوئی باطل نظامِ فکر کو اختیار کرتا ہو مثلاً موجودہ دور کا شیعہ ہو جس کو رافضی کہا جاتا ہے یہ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر سب و شتم کا قائل ہے اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو غاصب قرار دیتا ہے اس کی روایت کو بہر حال نہیں لیا جاتا۔

علّامہ ذہبی رحمہ اللہ اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں۔

البدعة على ضربين - فبدعة صغرى كغلو التشيع أو التشيع بلا غلو ولا تحرق فهذا كثير في التابعين و تابعيهم مع الدين والورع والصدق فرد حديث هولاء لذهبت جملة من الآثار النبوية وهذه مفسدة بينة۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بدعت صغریٰ جیسے تشیع غلو کے ساتھ ہو یا بغیر غلو کے۔ یہ تابعین اور تبع تابعین میں ان کی دینداری پرہیزگاری اور صدق کے ساتھ ساتھ کثرت سے تھی۔ اگر ان کی احادیث رَد کر دی جائیں تو احادیثِ نبویہ کا ایک بڑا مجموعہ ضائع ہو جاتے جو کہ خود کھلا مفسدہ ہے۔

ثم بدعة كبرى كالرفض الكامل والغلو فيه والحط على ابى بكر وعمر رضى الله عنهما والدعاء الى ذلك فهذا النوع لا يحتج بهم ولا كرامة - وايضا فما استحضر الآن في هذا الضرب رجلا صادقا ولا مامونا بل الكذب

دوسری بدعت کبریٰ ہے جیسے رفض کامل اور اس میں غلو اور شیخین کے درجے کو گرانا اور اس عقیدے کی طرف دعوت دینا۔ اس قسم کی بدعت والوں سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ نیز اس قسم میں اب کوئی کوئی ایسا شخص بھی نہیں ملتا جو سچا ہو اور جھوٹ سے اس پر امن ہو، بلکہ جھوٹ تو اب اُن کا شعار

شعارهم والتقية والنفاق دثارهم فكيف يقبل نقل من هذا حاله؟ حاشا وكلا۔

اور تقیہ اور نفاق اُن کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ تو جس کا ایسا حال ہو اس کی نقل کردہ بات کو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے۔

فالشيعي الغالي في زمان السلف وعرفهم هو من تكلم في عثمان والزبير و طلحة ومعاوية و طائفة ممن حارب عليا رضي الله عنه وتعرض لسبهم

اسلاف کے زمانے اور اُن کے عرف میں غالی شیعہ وہ شخص ہوتا تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں اور زبیر، طلحہ، معاویہ رضی اللہ عنہم اور دیگر ایسے حضرات جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں صف آرا ہوتے ان کی شان میں نازیبا کلام کرتا تھا۔

والغالي في زماننا وعرفنا هو الذي يكفر هولاء السادة ويتبرأ من الشيخين ايضا فهذا ضال مفتر

ہمارے زمانے اور ہمارے عرف میں غالی شیعہ وہ شخص ہوتا ہے جو ان حضرات صحابہ کی تکفیر کرے اور شیخین پر تبرا بھی کرے۔ اور یہ شخص گمراہ اور مفتری ہے۔

قال ابن حجر رحمه الله في التهذيب

التشيع في عرف المتقدمين هو اعتقاد تفضيل علي على عثمان و ان عليا كان مصيبا في حروبه وان مخالفه مخطئ مع تقديم الشيخين و تفضيلهما ۔ وربما اعتقد بعضهم ان عليا افضل الخلق بعد رسول الله

متقدمین کے عرف میں تشیع سے مراد یہ اعتقاد تھا کہ علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے اور یہ کہ حضرت علی لڑائیوں میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر تھے۔ اس کے باوجود شیخین کی تقدیم اور تفضیل کا اعتقاد قائم تھا۔ اور بعض لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مخلوق میں سب سے افضل علی رضی اللہ عنہ ہیں جب

صلّی اللہ علیہ وسلّم و اذا کان یعتقد ذلک و رعا دینا صادقا مجتھدا فلا ترد روایتہ بھذا لاسیما ان کان غیر داعیۃ۔

اس طرح کے اعتقاد ایسے شخص کے ہوں جو پرہیزگار دیندار، سچّا اور علم میں محنت کرنے والا ہو تو اس اعتقاد کی بناء پر اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی، خصوصًا جبکہ وہ اس اعتقاد کا داعی بھی نہ ہو۔

و اما التشیع فی عرف المتاخرین فھو رفض المحض رای السب و الشتم، فلا تقبل روایۃ الرافضی الغالی ولاکرامۃ

رہا متاخرین کا عرف تو اس میں تشیع سے مُراد رفض محض یعنی سب وشتم ہے لہٰذا غالی رافضی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

(حاشیہ بر قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۳۹)

ایک اور بدعتی فرقہ مُرجئہ کا ہُوا ہے۔ اس کا خیال یہ تھا کہ ایمان فقط اقرار واعتقاد کا نام ہے اس کے ہوتے ہُوئے بدعملی کچھ مضر نہیں۔ یہ فرقہ واقعی گمراہ ہے، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ مرجئہ ان لوگوں کو بھی کہا گیا ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپس میں لڑنے والے مسلمانوں کی کسی جماعت کی درستگی وصواب کا قول نہیں کرتے بلکہ اس بارے میں خاموشی کو اختیار کرتے ہیں اور معاملہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ اہلِ سُنّت کا اس بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مقابلہ پر آنے والے خطا پر تھے۔ یعنی ان کی خطا اجتہادی تھی۔ اب اگرچہ ان حضرات کی روش اہلِ سُنّت سے ہٹ کر ہے، لیکن اس کی بناء احتیاط پر ہے کہ دونوں جانب صحابہ ہیں لہٰذا ہمیں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ ان کو بھی مبتدع کہا جائے گا، لیکن کسی عقلی و نقلی دلیل سے آپ ان کی روایت کو رد نہیں کرسکتے۔

اسی طرح بعض محدّثین ایسے شخص کو بھی مرجئہ میں سے کہہ دیا کرتے تھے جو اس بات کا قائل ہو کہ ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ یعنی یہ شخص عمل کے ایمان کی حقیقت میں داخل نہ ہونے کا قائل ہے۔ محدّثین کا ایسے شخص کے ساتھ کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے، بلکہ محض نزاعِ لفظی (یعنی لفظی جھگڑا) ہے اور ایسا شخص بھی جبکہ روایتِ حدیث کی اہلیت رکھتا ہو تو اس کی روایت کردہ حدیث کو قبول کرنے سے کوئی دلیل بھی مانع نہیں ہے۔

(قسط:۲، آخری)

دار الافتاء جامعہ مدنیہ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الواحد

مدرس و نائب مفتی و فاضل جامعہ مدنیہ

حقِ ایجاد اور حقِ طباعت و اشاعت کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

ہم ترتیب سے ان تینوں نکات پر بحث کرتے ہیں۔

نکتہ اوّل: حقِ ایجاد و تصنیف کا عرف و قانون کی بُنیاد پر حاصل ہونا

اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مصنّف کو خود طباعت و اشاعت کرانے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ کسی عرف و قانون اور رجسٹریشن کا محتاج نہیں ہوتا وہ چاہے تو اس کا اہتمام کر سکتا ہے کہ دوسروں سے پہلے اپنی تصنیف کی طباعت و اشاعت کرائے۔ پھر قانون اور قانونی رجسٹریشن سے اسے کیا حاصل ہوتا ہے؟ بظاہر تو ـــــ جیسا کہ مولانا تقی عثمانی مدظلہ نے تحریر کیا ہے ـــــ اس حق کا مطلب ہے کہ تنہا اسی شخص کو اپنی ایجاد کردہ چیز بنانے اور منڈی میں پیش کرنے کا حق ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو یہ دو اُمور پر مشتمل ہے ایک تو خود مصنّف و موجد کا اس کی اشاعت کرنا اور دوسرے دیگر لوگوں پر اس کی اشاعت کرنے سے پابندی عائد کرنا۔ چونکہ امر اوّل تو قانون و رجسٹریشن کے بغیر بھی مصنّف کو حاصل تھا۔ لہٰذا اس قانون سے جو اصل حق اسے حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ دوسروں پر اشاعت سے پابندی لگوا دی۔ دیکھیے خود اصحابِ قوانین کہتے ہیں

It is a new or independent right granted by the statute, and not simply a pre-existing right regulated by the statute

یہ عبارت اس بارے میں نص ہے کہ قانون کی نظر میں حق طباعت ایسا حق نہیں ہے جو پہلے سے ثابت ہو بلکہ یہ تو حکومت کی جانب سے عطا کردہ حق ہے اب چونکہ خود طباعت کرانے کا حق تو مصنف کو پہلے سے حاصل تھا ہی لہٰذا حکومت کی جانب سے عطا کردہ حق اس کے سوا اور کیا ہے کہ دیگر لوگوں پر پابندی عائد کروانے کا حق ہے

Copyright is usually defined as the exclusive right of printing or otherwise multiplying copies of an intellectual production, and of publishing, and vending the same; the right of preventing all others from doing so (p.15)

اس عبارت میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ قانون کی نظر میں یہ حق اس بات کا بھی ہے کہ دوسروں کو طباعت و اشاعت سے روک دیا جائے۔

لیکن قانون کی رو سے دوسروں پر پابندی فقط اس وقت ہے جب (COPYRIGHT) قوانین کے تحت رجسٹریشن کرالی ہو، ورنہ دوسروں پر پابندی نہیں ہوگی۔ دیکھیے۔

Provided that if the defendant proves that at the date of the infringement he was not aware that copyright subsisted in the work and he had reasonable ground for believing that copyright did not subsist in the work, the plaintiff shall not be entitled to any remedy other than.....(P.46)

THE COPYRIGHT LAWS

By Zia-ul-Islam Janjua

حاصل یہ ہے کہ عرف و قانون کی نظر میں حقِ طباعت و اشاعت ایسا حق نہیں ہے جو پہلے سے ثابت ہو کیونکہ مذکورہ بالا عبارات میں اس کے Pre-existing right ہونے کی نفی کی گئی ہے بلکہ اس کو حکومت کا عطا کردہ حق بتایا گیا ہے (new or independent right granted by the stature) جو کہ فقط اس پر مشتمل ہے کہ دوسروں کے لیے اس کتاب کی طباعت و اشاعت ممنوع ہو اور اسی سے

مصنف کے لیے exclusive right of printing ثابت ہوتا ہے

اور دوسروں پر پابندی لگوانے کا حق اس وجہ سے دیا جاتا ہے کہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ تقلیلِ منافع کی صورت میں مصنّف کو ضرر پہنچتا ہے تو مصنّف سے اس ضرر کے دفع کے لیے اس کو یہ حق دیا جاتا ہے۔

غرض عرف و قانون کی بُنیاد پر مصنّف کو جو حق دیا جاتا ہے۔ وہ دوسروں پر پابندی لگوانے کا حق دیا جاتا ہے اور جہاں تک نفسِ حقِ طباعت کا تعلّق ہے تو اس سے عرف و قانون کو کچھ تعرض نہیں ہے وہ مصنّف کو تو حاصل ہوتا ہی ہے۔ دوسروں کے لیے بھی عدمِ رجسٹریشن کی صورت میں مباح اور جائز ہوتا ہے اور دوسروں پر پابندی لگوانے کا حق اس لیے ملتا ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں آنے سے اس کے منافع کے ضررِ تقلیل کا اندیشہ ہے

لہٰذا حقِ اشاعت (COPYRIGHT) اوّل تو کوئی حق ہی نہیں ہے اور اگر اس کو حق فرض ہی کر لیا جائے تو وہ ایسا حق ہے جو صاحبِ حق سے دفع ضرر کے لیے ہے۔

نکتہ دوم: شریعتِ اسلامیہ کا اس کو حقِ اسبقیت کی بُنیاد پر تسلیم کرنا

(۱) اسبقیت کی بناء پر اس حق کو ثابت کرنا بعید ہے کیونکہ جہاں ایک روایت میں من سبق الی مالم یسبقه الیه مسلم فهوله آیا ہے وہیں ایک روایت میں من سبق الی ما لم یسبقه . . . الخ بھی آیا ہے۔ پھر شارحین نے ما کے تحت جن اشیاء کو شامل کیا ہے وہ وہ اشیاء ہیں جن کی نقل تیار نہیں کی جاسکتی مثلاً پانی لکڑی گھاس کنواں، معدن اور ذات و عین ہونے کی بناء پر یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک آدمی کی ملکیّت ثابت ہونے کے بعد اس میں دوسرے آدمی کی بھی ملکیت ثابت ہوسکے۔ مزاحمت ختم کرنے کے لیے شریعت نے ایسی اشیاء میں اسبقیت کا قاعدہ و قانون جاری کیا ہے۔

رہیں وہ اشیاء جن کی نقول فراہم کی جاسکتی ہوں اور وہ نقول دوسروں کی ملکیت میں آسکتی ہوں تو ان اشیاء کو مقدم الذکر اشیاء پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق کے ہوگا۔

دیکھیے مصنّف اپنے مسودہ کا مالک ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا اس کا مالک نہیں۔ ہاں اس کی نقل فراہم کر کے خواہ کسی بھی طریقے سے ہو ـــــ جب مالک کسی دوسرے کو مثلاً فروخت یا ہبہ کر کے اس کا مالک بنا دے تو جیسے

مصنّف کو اپنے نسخہ و مسودہ پر مالکانہ حقوق حاصل ہیں اسی طرح دوسرے کو اپنی حاصل کردہ نقل پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں گے۔ دونوں میں کچھ فرق نہ ہوگا اور مالکانہ تصرفات کا حق بھی دونوں کو یکساں حاصل ہوگا اور ان تصرفات میں ایک یہ بھی ہے۔ کہ وہ اپنے نسخہ کی نقول فراہم کرکے دوسروں کے ہاتھ فروخت کرے

رہا مولانا مدظلہ کا یہ فرمانا: " اس دلیل کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ چیز میں تصرف کرنا الگ چیز ہے اور اس کی مثل دوسری چیز بنایا۔ دوسری چیز ہے۔ خریدار کتاب خرید کر کتاب میں تصرف کرنے کا مالک ہوا کہ اسے پڑھے، نفع اُٹھائے، بیچے، عاریت پر دے، ہبہ کر دے اور اس طرح کے دوسرے تصرفات کرے اس جیسی دوسری کتاب کی طباعت و اشاعت فروختگی کے منافع میں سے نہیں ہے کہ کتاب میں ملکیت اس کی حق طباعت و اشاعت کی ملکیت کو مستلزم ہو۔ اس کی مثال حکومت کے ڈھالے ہوئے سکّے ہیں ان سکّوں کو اگر کسی نے خریدا تو وہ ان سکّوں میں ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے، لیکن اس خریداری کی وجہ سے اس کے لیے اس طرح کے دوسرے سکّے ڈھالنا جائز نہیں ہوگا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ کسی چیز کی ملکیّت اس بات کو مستلزم نہیں کہ مالک کو اس جیسی دوسری چیز بنانے کا حق ہو"

اس کا جواب یہ ہے کہ سرکار کے ڈھالے ہوئے سکّوں کی مثل بنانا اس وجہ سے ممکن نہیں ہوتا کہ حکومت کی جانب سے ان کی مثل بنانے پر پابندی ہوتی ہے اور سرکاری قانون میں اس کو جُرم قرار دیا گیا ہے اگر سرکاری پابندی نہ ہو تو کیا پھر بھی یہ حق نہ ہوگا؟ اسی طرح جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے سرکاری قانون کی رو سے جب تک مصنّف اپنی کتاب کی رجسٹریشن نہ کرالے، دوسروں پر اس کو طبع کرنے کی پابندی نہیں ہوتی۔ رجسٹریشن کرانے کے بعد یہ پابندی عائد ہوتی ہے۔

اس بات کے ہم بھی قائل ہیں کہ واقعی ضرورت کے تحت اگر حکومت کسی دوسرے کو طباعت و اشاعت سے روک دے تو حکومت کے اس قانون کی پابندی لازم ہو گی۔

باقی اس بات کو بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مروج عرف و قانون میں مصنّف کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ رجسٹریشن کرواکے دوسروں پر اپنی کتاب کی طباعت و اشاعت کی پابندی لگوا دے۔ اور ایسا حق تقلیلِ منافع کو ضرر سمجھ کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا تقلیل منافع کو اگر ضرر سمجھا جائے تو اس حق کا اثبات محض دفعِ ضرر کے لیے کیا گیا ہے

(۲) اسبقیت کے طور پر البتّہ مصنّف کو یہ بات حاصل ہوتی ہے کہ وہ کتاب اس کی کہلائے گی۔ کوئی

اور اس کو اپنا نہیں کہہ سکے گا۔ بلکہ اگر اتفاق سے کوئی دوسرا بھی بعینہ ویسی ہی کتاب اپنی محنت سے لکھ لے تو اسبقیت ثابت ہونے پر الفضل للمتقدم پہلے مصنّف کو شرف و فضل حاصل رہے گا۔

نکتہ سوم : رجسٹریشن کے سرٹیفکیٹ کا تاجروں کے عرف میں قیمتی مال شمار کیا جانا

ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ رجسٹریشن کی حقیقت تو دوسروں پر اپنے مزعومہ ضرر کے اندیشہ سے پابندی لگوانا ہے۔ حکومت کی جانب سے جاری کردہ سرٹیفکیٹ اسی کا مظہر ہے اور العبرۃ للمعانی لا للالفاظ ۔ لہٰذا تاجر اس کو کیا سمجھتے ہیں؟ اس کا اعتبار نہ ہو گا بلکہ اصل حقیقت و معنی کا اعتبار ہو گا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض : مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے یہ بھی فرمایا "نفع کم ہونا اگرچہ خسارہ نہ ہو لیکن ضرر ضرور ہے۔ خسارہ اور ضرر میں واضح فرق ہے۔ یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ جس شخص نے کوئی چیز ایجاد کرنے یا کتاب تصنیف کرنے کے لیے جسمانی اور ذہنی مشقتیں جھیلیں، بے پناہ مال اور وقت صرف کیا اس کے لیے راتوں کو جاگا۔ راحت و آرام قربان کیا وہ اس ایجاد اور کتاب سے نفع حاصل کرنے کا اس شخص سے زیادہ حقدار ہے جس نے تھوڑے مال میں اور ایک منٹ میں ایجاد شدہ چیز یا کتاب خرید لی پھر موجد اور مصنّف کے لیے مارکیٹ تنگ کرنے لگا۔"

جواب : (۱) ہم کہتے ہیں کہ نفع حاصل ہونے نہ ہونے یا کم و زیادہ ہونے کا تعلق حقِ طباعت و اشاعت سے ہے ہی نہیں۔ کیا کسی شے کی فروخت کو یہ لازم ہے کہ اس میں نفع ہی ہو اور وہ بھی مطلوبہ مقدار میں بلکہ تجارت میں تو نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔

(۲) اگر اس کو بھی مدنظر رکھا جائے کہ اشاعت و تجارت متوقع نفع کے لیے کی جاتی ہے۔ تب بھی اوّل تو دوسرے کے طبع کرانے سے پہلے کے نفع کی نفی لازم نہیں۔ دوم یہ کہ تجار بھی ایسے طریقے اختیار کرنے کے کوشاں ہوتے ہیں کہ کسی اور کو میدان میں آنے یا چھا جانے کا موقع نہ دیں مثلاً کم نفع پر زیادہ مقدار میں مال بازار میں پھیلا دیں۔ ظاہر ہے کہ دوسرے کو طلب نظر نہ آنے پہ طباعت و اشاعت کرنے کی طرف رغبت نہ ہو گی۔ آخر کتنی ہی کتابیں ہیں کہ جو چھپتی ہیں، لیکن انکی طلب زیادہ نہ ہونے کی بناء پر کوئی

دوبارہ یا مقابلے پر اس کو چھاپنے کا سوچتا بھی نہیں جبکہ طلب زیادہ ہونے پر (مثلاً بہشتی زیور اور تبلیغی نصاب وغیرہ) دسیوں بیسیوں اس کو چھاپتے ہیں اور سب نفع کماتے ہیں اور اس میں تقلیلِ منافع کو اپنے لیے ضرر نہیں سمجھتے۔

پھر پہلی طبع میں جبکہ ابھی کسی اور کی جانب سے وہ کتاب طبع نہیں کی گئی۔ طابعِ اوّل کو بہت کچھ نفع حاصل ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض اوقات طابعِ اوّل محض اس بناء پر کہ کوئی اس کے مقابلہ میں نہیں ہے اپنے نفع کی شرح زیادہ بلکہ بہت زیادہ رکھتا ہے۔ مقابلہ کی صورت میں اس کو نفع کی شرح کم کرنی پڑتی ہے۔ یہ تقلیلِ منفعت اس کی نظر میں ضرر ہو تو ہو تجارتی و معاشیاتی اُمور پر نظر رکھنے والوں کی نظر میں یہ کبھی ضرر شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر طابعِ اوّل پہلے ہی نفع کم رکھتا تو ہم نہیں سمجھتے کہ دوسرا طابع کتابت و طباعت کے تمام اخراجات کر کے بغیر نفع کے یا نقصان سے بیچنے پر راضی ہوگا۔ بلکہ ایسی صورت میں دونوں کی قیمتیں یکساں ہوں گی یا قلیل تفاوت کی حامل ہوں گی اور اگر تفاوت زیادہ ہوگا تو کوالٹی کی بناء پر ہوگا، لیکن اس صورت میں دونوں کے اپنے اپنے طلب گار گاہک ہوں گے۔

باقی اجارہ داری (MONOPOLY) کے مضر اثرات کہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کیا جائے موجودہ زمانے میں عام ہیں۔ غرض تقلیلِ منافع کو ضرر خیال کرنا صحیح نہیں بلکہ بسا اوقات اس کی وجہ سے طلب کے زیادہ ہونے کے باعث یہ بہت زیادہ نفع کے حصول کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔

ہمارے اس سارے کلام کا حاصل یہ ہے۔

۱۔ مصنّف کو حاصل شدہ حقِ طباعت ہر حال میں محفوظ رہتا ہے۔ بایں معنی کہ اس کے حقِ طباعت میں کسی کے عمل سے کچھ خلل نہیں آتا۔ محض مصنّف کے مالی مفاد کی اس کے ساتھ وابستگی اس بات کا سبب نہیں کہ دوسروں کا حق ساقط ہو جائے کیونکہ دوسروں کی طباعت سے نہ تو مصنّف کے اپنے اصل حق پر زد پڑتی ہے اور نہ ہی اس کا مالی مفاد ختم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے حق سے دوسروں کے حق کا خود بخود ساقط ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ مروجہ عرف و قانون میں مذکور حق درحقیقت دوسروں پر پابندی لگوانے کا حق ہے جس کا کوئی عقلی، شرعی یا حسی سبب موجود نہیں۔ مروج عرف و قانون میں تقلیلِ منافع کو ضرر سمجھا گیا ہے اور اس کے دفع

کے لیے یہ حق دیا جاتا ہے، لیکن اوّل تو تقلیلِ منافع کو ضرر خیال کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور دوسرے اگر اس کو ضرر فرض بھی کر لیا جائے تو اس سے قائلین جواز کا مدعا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ان حضرات کے نزدیک بھی وہ حق جس کا اثبات دفع ضرر کے لیے ہو اس پر کسی طور سے معاوضہ لینا جائز نہیں۔

وحكم هذا النوع من الحقوق انه لا يجوز الاعتياض عنها لا عن طريق البيع ولا عن طريق الصلح والتنازل بمال والدليل عليه عقلا ان الحق لم يكن ثابتا لصاحبه اصالة وانما ثبت له لدفع الضرر عنه فان رضى باعطائه لغيره أو تنازل عنه لآخر ظهر انه لاضرر له عند عدمه۔

(بیع الحقوق المجردۃ ـــــ مولانا تقی عثمانی مدظلہ)

۳۔ مصنّف کے لیے حق اسبقیت اس میں ہے کہ وہ کتاب مصنّف کی کہلائے گی۔ اس کی وجہ سے دوسروں کا حقِ طباعت متأثر نہیں ہوگا جیسا کہ ہم تفصیل سے اس بارے میں کلام کر چکے ہیں۔

۴۔ اگر کوئی ضرورت واقعیہ ہو یا مفاد عامہ ہو تو حکومت اپنے اختیار سے دوسرے سب یا کچھ ناشرین پر پابندی عائد کر سکتی ہے کہ وہ نہ چھاپیں۔

خاتمہ

خاتمہ میں ہم مذکورہ بالا کلام کے نتائج اور کچھ دیگر نکات پیش کرتے ہیں۔

(۱) عام حالات میں کاپی رائٹ (COPYRIGHTS) کے تحت دوسروں پر پابندی لگوانی جائز نہیں البتہ بعض خصوصی حالات میں مثلاً اگر کوئی طابع محض پہلے کو نقصان پہنچانے اور تنگ کرنے کے لیے فقط خرچہ کی قیمت پر یا اپنا نقصان کر کے خرچہ سے بھی کم قیمت پر کتاب بازار میں لاتا ہے یا لانے کا اعلان کرتا ہے جبکہ پہلا طابع (یا مصنّف) اس کو واجبی نفع پر لا رہا ہے تو دوسرے پر حکومت پابندی لگا سکتی ہے اور پہلا طابع دوسرے پر پابندی لگوا سکتا ہے۔

(۲) حقِ تصنیف اور حقِ طباعت پر کسی طرح سے بھی اُجرت یا عوض لینا جائز نہیں نہ بیع کی صورت میں نہ صلح کی صورت میں۔

(۳) مصنّف اگر خود طباعت و اشاعت نہیں کر سکتا یا دوسروں کی طباعت و اشاعت سے اپنے آپ کو

مطمئن نہیں کر سکتا تو اور طریقوں سے اپنی محنت کا معاوضہ حاصل کرنا اس کے لیے ممکن ہے۔ مثلاً
(الف) وہ اپنا مسودہ کسی ناشر کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔
(ب) مصنّف ناشر کے ساتھ شرکتِ عنان کا معاملہ کر سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ مصنّف اپنا مسودہ ناشر کو مناسب قیمت پر فروخت کر دے اور اس قیمت کو اپنی طرف سے شرکت میں اپنا راس المال بنا دے۔ اور باہم نفع کی تقسیم کی شرح طے کرلیں۔ یہ شرکت صرف اسی کتاب کے بارے میں ہوسکتی ہے۔

(۴) طابع اوّل نے جو ڈیزائننگ اور خاص طرزِ کتابت وطباعت اختیار کیا ہے۔ دوسرا کوئی طابع وناشر اس کو نقل نہ کرے بلکہ اپنے لیے جُدا طرز اختیار کرے۔ اس کے لیے نقل کرنا شرعًا ممنوع ہوگا کیونکہ اس میں طابع اوّل کو اضرار[1] اور گاہک کو دھوکا[2] ہوسکتا ہے دھوکہ سے بچانے کے لیے اس پابندی اور ممنوعیت سے کسی کا حق بھی متأثر نہیں ہوتا۔ نیز طابع اوّل اس کے لیے کاپی رائٹ قوانین کے تحت قانونی تحفظ بھی حاصل کر سکتا ہے۔

رائلٹی (ROYALTY) کی شرعی حیثیت

رائلٹی میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ وہ مصنّف کے حقِ طباعت کا معاوضہ ہو۔ ہم اس موضوع پر تفصیل

---

[1] اضرار کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ دوسرا فوٹو لے کر کتاب شائع کرے۔ ظاہر ہے کہ اس میں عام طور سے اخراجات کم اُٹھتے ہیں تو ہوسکتا ہے کہ دوسرا طابع کم لاگت کی بناء پر اتنی کم قیمت رکھے کہ پہلے طابع کے لیے اتنی کم قیمت پر آنے میں واقعی نقصان ہو۔

اس کی ایک عملی مثال سامنے بھی آئی وہ یہ کہ ایک طابع کے طبع کرانے کے عمل کے دوران ایک دوسرے شخص نے موقع پاکر کتابت شُدہ کی فوٹو لے کر طابعِ اوّل سے بھی کچھ پہلے کتاب چھاپ دی۔ حالانکہ اگر اس دوسرے شخص کو اتنے ہی مراحل سے گزرنا پڑتا جتنے سے طابعِ اوّل گزرا تھا تو وہ اتنی جلدی شائع کرنے پر قادر نہ ہوتا اور غالب گمان یہ ہے کہ اس کو چھاپنے کی ترغیب بھی نہ ہوتی۔

[2] گاہک کو دھوکہ کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ گاہک خاص طابع کا مطبوعہ چاہتا ہو اور ملتی جلتی ڈیزائننگ دیکھ کر وہ خرید لے بعد میں اس کو معلوم ہو کہ وہ کسی اور کا مطبوعہ ہے۔ اگرچہ اس کو ضرر نہ ہُوا لیکن ایک قسم کا دھوکا تو اس کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس میں طابعِ اوّل کو بھی دھوکہ ہوسکتا ہے جبکہ وہ اپنی مطبوعہ کی تشہیر کرتا رہا ہو۔

سے لکھ چکے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔

اس میں دوسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ اس کو مصنّف کے مسودہ کی قیمت بنائی جائے۔ عام طور پر جو طریقہ رائج ہے کہ ناشر جتنی مرتبہ بھی طبع و اشاعت کرے گا ہر مرتبہ میں اتنے فیصد کُتب یا اُن کی قیمت مصنّف کو ادا کرے گا۔ اس میں مسودہ کی قیمت مجہول رہتی ہے اور یہ جہالت ایسی نہیں جو مفضی الی النزاع نہ ہوتی ہو، کیونکہ طابع و ناشر کی مرضی پر دارومدار ہوگا کہ وہ کتاب آئندہ چھاپتا بھی ہے یا نہیں اور اگر چھاپتا ہے تو کب اور کتنی چھاپتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ مصنّف کی مرضی ناشر کی مرضی کے موافق نہ ہو۔

اگر یہ کہیں کہ مصنّف اگر راضی نہ ہو تو وہ ناشر کو مزید ایڈیشن نکالنے کی اجازت نہ دے تو جواب یہ ہے کہ اس صُورت میں رائیلٹی مسودہ کی قیمت نہ بنی بلکہ حقِ طباعت کا معاوضہ ہُوئی جو جائز نہیں۔

رائیلٹی کو مسودہ سے انتفاع کی اُجرت بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ اوّل تو کتاب اجارہ (کرایہ) پر دینا جائز نہیں۔ علاوہ ازیں ناشر کے لیے ایک مرتبہ کا انتفاع کافی ہے۔ بعد میں اپنی کتاب چھاپ کر وہ اصل مسودہ سے مستغنی ہو جاتا ہے اور آئندہ ایڈیشن میں اس کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی جبکہ رائیلٹی ہر طباعت پر وصول کی جاتی ہے۔

غرض رائیلٹی کی مروجہ صورتیں کسی طرح بھی جائز نہیں۔

○○

بقیہ: سیرتِ مُبارکہ

سلام کا بہتر جواب یہ ہے کہ رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ بڑھا دو۔ آں حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بشارت دی ہے کہ ان میں سے ہر لفظ پر دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے جیسے جیسے الفاظ بڑھتے رہیں گے ثواب بڑھتا رہے گا۔[1]

---

[1] ابوداؤد شریف ص ۳۵۹ ج ۲

مولانا نعیم الدین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

"کتاب الاصل"

"کتاب الاصل" فقہی مسائل سے متعلق حضرت امام محمد رحمہ اللہ (م ۱۸۹ھ) کی ایک عظیم تصنیف ہے، علامہ زاہد الکوثری رح فرماتے ہیں۔

"یہ کتاب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ (م ۲۰۴ھ) کو زبانی یاد تھی، اور اسی کو سامنے رکھ کر آپ نے "کتاب الام" تصنیف فرمائی تھی" [1]

علامہ کوثری رح کی یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں "جَالَسْتُهُ عَشْرَ سِنِيْنَ وَ حَمَلْتُ مِنْ كَلَامِهِ حَمْلَ جَمَلٍ" [2] میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ کی خدمت میں دس سال رہا ہوں اور میں نے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابوں میں اُن کے کلام کو نقل کر کے اُٹھایا ہے۔

علامہ کوثری رح نے "کتاب الاصل" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

" ایک یہودی عالم نے جب اس کتاب کا مطالعہ کیا تو وہ یہ کہتے ہوئے مسلمان ہو گیا کہ "ھٰذا کتاب محمد کم الاصغر فکیف

---

[1] بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن الحسن الشیبانی رح ص ۶۱

[2] مناقب ابی حنیفۃ للامام الکردری ص ۴۲۹

کتاب محمد کم الاکبر" یعنی تمہارے چھوٹے محمد امام
محمد بن حسن شیبانیؒ کی کتاب کا یہ حال ہے تو تمہارے بڑے محمد (حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب (قرآن مجید) کا کیا حال ہوگا؟"[1]

"شرح معانی الآثار"

"شرحِ معانی الآثار" حضرت امام طحاوی رحمہ اللہ (م ۳۲۱ھ) کی عظیم الشان تالیف ہے۔ امام طحاویؒ، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید حضرت امام مُزَنِی رحمہ اللہ کے بھانجے تھے، شروع میں آپ شافعی المسلک تھے بعد میں حنفیت کو اختیار کرلیا تھا، جس کی وجہ آپ نے اپنے شاگرد کے سوال کے جواب میں خود یہ بیان فرمائی کہ

"مَیں دیکھتا تھا کہ میرے ماموں (امام مُزَنِی) امام اعظمؒ کی کتابوں کا مسلسل مطالعہ فرماتے ہیں اس لیے میں نے بھی یہی مسلک اختیار کرلیا"[2]

امام طحاوی رحمہ اللہ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدّث، فقیہ اور ناقد تھے، تین درجن کے قریب آپ نے کتابیں لکھی ہیں جن میں چند بڑی ضخیم کتابیں بھی ہیں۔

"شرح معانی الآثار" آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور آپ کی تمام تصنیفات میں اہم، مشہور، و متداول ہے۔ علماء نے خصوصیت سے اس کی طرف اعتناء کیا ہے، حافظ سخاوی رحمہ اللہ (تلمیذ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعیؒ) نے جن کتبِ حدیث کے مطالعے کا خصوصی مشورہ دیا ہے اُن میں "شرح معانی الآثار" بھی داخل ہے، علّامہ امیر اتقانی حنفیؒ فرماتے ہیں

"فانظر شرح معانی الآثار هل ترٰی له نظیرًا فی سائر المذاهب فضلاً عن مذهبنا" "شرح معانی الآثار" پر غور کرو، کیا تم ہمارے اس مذہبِ حنفی کے علاوہ دیگر مذاہب میں بھی اس کی نظیر پا سکتے ہو"[3]

---

[1] بلوغ الامانی ص۱۱

[2] وفیات الاعیان، بحوالہ حیات امام طحاوی ص۳۷ از علامہ فخرالحسن [3] محدثین عظام ص۲۸۶

حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں۔

"اولیاء نقشبند میں سے ایک بزرگ حضرت خواجہ محمد پارسا بخاری رحمہ اللہ (م ۸۲۲ھ) گزرے ہیں یہ اپنے وقت کے صوفیِ باصفا ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے فقیہ اور محدّث بھی تھے، آپ نے ایک کتاب لکھی ہے "فصولِ ستہ" اس کی فصلِ اوّل ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کتب خانے میں موجود ہے میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس میں آپ نے لکھا ہے کہ "شرح معانی الآثار" سونے سے لکھنے کے قابل ہے"۔

علامہ یُوسُف بن اسماعیل نبہانی (م ۱۳۵۰ھ) نے "جامع کراماتِ الاولیاء" میں حضرت خواجہ محمد پارسا کی کرامت کے ذیل میں ایک دلچسپ واقعہ تحریر فرمایا ہے، جس سے "شرح معانی الآثار" کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ بھی یہ واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ نبہانی تحریر فرماتے ہیں۔

مرزا الغ بیگ کے زمانے میں امام القرائت محمّد بن محمّد شمس الدین جزریؒ ماوراء النہر کے محدثین کی اسانید کی تصحیح کی غرض سے سمرقند تشریف لائے کسی مفسد حاسد نے حضرت امام جزریؒ سے خواجہ محمد پارساؒ کی شکایت کی کہ یہ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کی سند کا کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ اگر آپ اس کی تحقیق کریں تو آپ کو بڑا ثواب ہوگا۔ حضرت امام جزریؒ نے بادشاہ سے کہا کہ انہیں حاضر کیا جائے، چنانچہ آپ تشریف لائے۔ آپ کے لیے ایک بڑی مجلس منعقد کی گئی جس میں اس زمانے کے شیخ الاسلام عصام الدین نحویؒ اور دیگر عُلماء بھی تھے، امام جزریؒ نے آپ سے ایک حدیث کی بابت سوال کیا تو آپ نے اپنی سند سے وہ حدیث سُنادی، امام جزریؒ بولے اس حدیث کی صحت کے بارے میں تو کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا، لیکن یہ سند میرے نزدیک ثابت نہیں، اس بات سے حاسدوں کو بڑی خوشی ہوتی،

آپ نے اس حدیث کی دوسری سند ذکر کی امام جزریؒ نے پھر وہی جواب دیا، حضرت خواجہ محمد پارساؒ معاملے کو بھانپ گئے اور سمجھ گئے کہ میں یہاں جو بھی سند پیش کروں گا یہ اُسے تسلیم نہیں کریں گے، آپ نے شیخ الاسلام عصام الدین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تمہارے نزدیک فلاں مسند (یعنی طحاوی شریف) صحیح ہے اور اس کی اسناد معتمد علیہ ہے؟ عصام الدین بولے کہ جی ہاں وہ تو محدّثین کے درمیان ایک معتبر کتاب ہے اور کسی نے بھی اس کی اسانید میں کلام نہیں کیا اگر آپ کی سند اس میں ہے تو پھر ہمارے لیے کلام کی کوئی گنجائش نہیں، آپ نے فرمایا وہ مسند تمہارے فلاں محل کے خزانے میں فلاں کتاب کے نیچے موجود ہے اس کا اِتنا حجم ہے اور ایسی ایسی اس کی جلد ہے اور جو حدیث میں نے ابھی پیش کی ہے یہ اس کے فلاں صفحے پر اسی سند کے ساتھ موجود ہے اسے منگا کر دیکھ لو، شیخ الاسلام عصام الدین اپنے خزانے میں اس مسند کی وجہ سے پہلے ہی متردد تھے (یعنی تلاش کرتے تھے ملتی نہیں تھی) حضرت خواجہؒ صاحب کے بتلانے پر وہ کتاب اسی جگہ مل گئی، چنانچہ اس مجلس میں پیش کی گئی عُلماء نے وہ حدیث اسی سند کے ساتھ اس مسند (طحاوی) میں موجود پائی، حاضرین کو بڑا تعجب ہُوا۔ بالخصوص شیخ الاسلام عصام الدین تو بہت ہی متعجب ہُوئے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نہ اُن کے گھر کبھی گئے تھے، نہ اُن کی کتابیں دیکھی تھیں۔ (پھر اس قدر وثوق سے آپ نے سب کچھ بتلا دیا) الغرض سب کے سب شرمندہ ہو کر رہ گئے، شدہ شدہ یہ بات سلطان کو بھی پہنچ گئی اور وہ بھی بہت شرمندہ ہُوا۔ یہ واقعہ آپ کے درجہ و مقام کی شہرت کا سبب بن گیا اس سے عُلماء آپ کے معتقد ہو گئے اور حاسدوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔[1]

---

[1] جامع کرامات الاولیاء ج ۲ ص ۲۵۶

اس واقعہ سے جہاں حضرت خواجہ محمد پارسا رحمہ اللہ کا صاحبِ کشف وکرامت بزرگ ہونا معلوم ہُوا، وہیں "شرح معانی الآثار" کی اہمیّت وعظمت کا بھی پتہ چلا کہ کس طرح مصر سے ماوراء النہر (از بکستان) پہنچی اور وہاں کے محدّثین نے اُسے معتبر ومعتمد کتاب قرار دیا۔ نیز اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ بڑے سے بڑے عالم ومحقق کے لیے بھی تمام تر معلومات کا ہونا ضروری نہیں، امام جزری رح باوجودیکہ بہت بڑے محدّث تھے لیکن ان کے علم میں "شرح معانی الآثار" نہیں تھی۔

"مختصر القدوری"

پانچویں صدی کے شروع میں بغداد کے اندر علماء احناف میں سے ایک بزرگ ہُوئے ہیں جن کا نام "احمد" ہے جو عرف میں "امام قدوری" کے نام سے معروف ہیں، آپ اپنے زمانے کے بہت بڑے محدّث اور فقیہ تھے، "تاریخ بغداد" کے مصنّف ابوبکر احمد بن علی المعروف خطیب بغدادی آپ کے شاگرد ہیں۔

علّامہ سمعانی رح (م ۵۶۲ھ) آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"کان فقیہًا صدوقاً و ممن انجب فی الفقہ لذکائہ وحفظہ وانتہت الیہ بالعراق ریاسۃ اصحاب ابی حنیفۃ وعظم قدرہٗ عندھم وارتَفَعَ جاھہ وکان حسن العبارۃ فی النظر جرئ اللسان مدیما لتلاوۃ القراٰن"[1]	آپ بڑے فقیہ اور صدوق تھے، اور فقہ میں اپنی زکاوت وذہانت اور حفظ واتقان کی وجہ سے قابلِ ستائش لوگوں میں سے تھے، عراق میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کی ریاستِ علمی آپ پر ختم تھی، اور احناف میں آپ کی بڑی قدرو منزلت اور بلند مرتبہ تھا، آپ کی تحریر بہت عمدہ تھی، زبان کے جری تھے، تلاوتِ قرآن دائمی معمول تھا۔

---

[1] کتاب الانساب الامام السمعانی ج ۴ ص ۴۶۰

آپ نے مسائل فقہیہ میں "مختصر القدوری" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ہے جس میں تقریباً بارہ ہزار مسائل کو، بیسیوں کتابوں سے منتخب کر کے درج فرمایا ہے۔ یہ کتاب آپ کا ایک عظیم شاہکار ہے، جسے قدرت نے بڑی عظمت عطا کی ہے۔

علّامہ طاش کبری زادہ (م ۹۶۸ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"و اعلم ان هذا المختصر مما تبرك به العلماء حتى جرّبوا قراءته اوقات الشدائد و ايام الطاعون"[1]	یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ "مختصر القدوری" اُن کتابوں میں سے ہے جنھیں علماء نے متبرک جانا ہے حتّٰی کہ مشکلات کے وقت اور طاعون کے دنوں میں ان کتابوں کے پڑھنے کو آزمایا ہے (یعنی ان کے پڑھنے سے مشکلات دور ہوگئیں)

علّامہ عینی حنفی رحمہ اللہ (م ۸۵۵ھ) اس کتاب کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"سمعت من استاذ الكبير يقول ان القدوری رحمه الله لما فرغ من تصنيف مختصرہ المنسوب اليه حج و اخذ المختصر معه ولما فرغ من طوافه سأل الله سبحانه ان يوقفه على خطأ فيه وسهو منه عن قلم۔ ثم انه فتح المختصر و تصفحه ورقة الى آخر فوجد فيه خمسة مواضع اوستة مواضع ممحوة و هٰذا يعد من كرامته"[2]	مَیں نے ایک بڑے استاذ کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا ہے کہ امام قدوریؒ جب اپنی مختصر کی تصنیف سے فارغ ہُوئے تو آپ حج کے لیے تشریف لے گئے اور مختصر ساتھ لیتے گئے، جب آپ طواف کر چکے تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ الٰہی اگر مجھ سے اس میں کہیں غلطی یا بھول چوک ہوگئی ہو تو مجھے اس پر مطلع فرما، اس کے بعد آپ نے کتاب کو اوّل سے آخر تک ایک ایک ورق کھول کر دیکھا تو صرف پانچ یا چھ جگہ سے مضمون محو تھا۔

یہ عظیم کتاب ہر دَور میں پڑھی پڑھائی جاتی رہی ہے۔ ساتویں صدی کے نصف آخر میں حضرت خواجہ

---

[1] مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۲۵۴ [2] البنایہ فی شرح الہدایہ کتاب الحج باب الاحرام ج ۴ ص ۱۲۷ طبع بیروت

نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ (م ۷۲۵ھ) نے یہ کتاب اپنے زمانے کے بڑے عالم مولانا علاء الدین اصولی رحمہ اللہ سے پڑھی تھی، کتاب کے اختتام پر مولانا نے خواجہ صاحبؒ کے دستارِ فضیلت باندھ دی تھی۔ دستارِ فضیلت کا دلچسپ واقعہ پروفیسر خلیق نظامی صاحب کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ تحریر فرماتے ہیں

"جب شیخ نظام الدینؒ نے قدوری ختم کر لی تو مولانا اصولیؒ نے کہا کہ اب دستارِ فضیلت باندھنے کا وقت آگیا، نئی دستار خریدنے کے لیے کچھ پاس نہ تھا اپنی والدہ سے اس پریشانی کا ذکر کیا فرمایا تم اطمینان رکھو اس کا انتظام ہو جائے گا، اُنھوں نے روئی خریدی اور دُھنئے سے جلدی کر کے دھنکوائی، پھر آدھی خود اور آدھی کنیز سے کتوائی۔ پھر ایک جولاہے کو جو پڑوس میں رہتا تھا سوت دیا اور جلد پگڑی تیّار کرنے کو کہا۔ اس نے سب کام چھوڑ کر دو تین دن میں کپڑا بن کر دے دیا اس کو کلف نہیں دیا۔ بس دھلوا کر سپرد کر دیا، والدہ نے اس دستار کے ساتھ کچھ پیسے رکھے تاکہ کھانے کی کوئی چیز خرید کر تقسیم کی جا سکے اور مولانا اصولیؒ کی خدمت میں بھیجا مولانا نے کچھ پیسے اپنے پاس سے ڈال کر کھانے کا انتظام کیا اور علی مولاؒ کو جو بدایوں کے مشہور بزرگ تھے اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی . . . دستار کا ایک سرا مولانا اصولی نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا علی مولاؒ کو دیا، دونوں نے مل کر شیخ نظام الدینؒ کے سر پر دستار باندھی شیخ نظام الدینؒ فرطِ محبّت اور جوشِ عقیدت میں اپنے استاذ کے قدموں میں گر گئے۔ علی مولاؒ یہ محبّت اور اَدب دیکھ کر بے اختیار پکار اُٹھے "ارے مولانا یہ بڈا ہوسی" (ارے مولانا یہ بڑا ہوگا) جب ان سے پُوچھا گیا کہ کس بناء پر پیشین گوئی کرتے ہیں تو فرمایا "جو منڈاسا باندھے سو پائن پسرے" یعنی جو دستار سر پر رکھتا ہے وہ کس کے پاؤں پڑتا ہے، دوسرے اس کی پگڑی میں ریشم کی آمیزش نہیں ہے۔ یہ بھی اس کے بڑے ہونے کی علامت ہے"[1]

---

[1] شیخ نظام الدین اولیاءؒ خلیق احمد نظامی ص ۲۹

شیخ الاسلام

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ایک تاریخی و سوانحی مطالعہ

تالیف

مولانا سید فرید الوحیدی زید مجدہٗ

فاضل دار العلوم دیوبند؛ ایم اے علیگ

صفحات: ۸۵۲ - قیمت: ۲۵۰ روپے

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ

حیات شیخ الاسلام

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرۃ علامہ حافظ سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ
شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند، صدر جمعیۃ علماء ہند کے حالاتِ زندگی

تالیف

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

ناظم جمعیۃ علماء ہند

مسئلۂ تعلیم اور طریقۂ تعلیم

تالیف

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ

دورِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ کے سب سے زیادہ ضروری اور بہت نازک مسئلہ یعنی دینی تعلیم و تربیت اور آسان و دلچسپ طریقۂ تعلیم کے متعلق اعلیٰ اصول اور کامیاب طریقوں کا بہترین مجموعہ، ضروری اور کارآمد معلومات کا قیمتی ذخیرہ

طباعت حسب ایماء

حضرۃ مولانا فضل الرحمٰن صاحب زید مجدہٗ ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام پاکستان

تعالی اللہ الملک الحق

روزہ اور زکوٰۃ

فضائل ○ فوائد ○ مقاصد

احکام اور مسائل

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الحدیث و صدر مفتی مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی

(سابق ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند)

ناشر

مکتبۂ محمودیہ

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک، لاہور